جلد ۴۴ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۹ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

دار المصنفین کی ضرورت کا خاکہ جب پہلی دفعہ کاغذ پر کھینچا تھا تو اردو مین ایک مکمل اور مفصل تاریخ اسلام کی یاد سب سے پہلے آئی تھی، خدا کا شکر ہے کہ پچیس برس کے بعد یہ آرزو پوری ہوئی، اور دار المصنفین کے کئی رفیقون نے مل کر سات آٹھ برس کی محنت مین اس سلسلہ کو لکھکر پورا کیا، امسال اس سلسلہ کی دو جلدین ناظرین کے سامنے آئین گی، ایک تو سب سے پہلی جلد جس مین شروع سے لیکر خلفاے راشدین کے زمانہ تک کی پوری تاریخ ہوگی، یہ جلد اب چھپ کر پوری ہو رہی ہے، یہ سلسلہ اپنی تحقیق و تفصیل کے لحاظ سے اس قابل ہوگا کہ کالجون میں اسلامی تاریخ کے نصاب مین کارآمد ہو سکے۔

تاریخ اسلام کے سلسلہ کی جو دوسری جلد چھپ کر مکمل ہو رہی ہے وہ ٹرکی کی تاریخ ہے، یہ دو جلدون میں ہوگی، اور دولت عثمانیہ کے آغاز سے لے کر جمہوریہ ٹرکی کے اس عہد تک کے حالات پر مشتمل ہوگی، پہلی جلد عثمان خان سے شروع ہو کر سلطان سلیم تک ختم ہوئی ہے، اور یہی اس وقت مطبع مین ہے،

مورخ **بلاذری** کی انساب الاشراف کا ذکر کئی سال ہوے معارف مین آیا تھا، اب اس کتاب کا دوسرا حصہ جو بنو امیہ کے ارکان و افراد کے حالات کو شامل ہے، بیروت کی عبرانی یونیورسٹی کے ادارۂ مشرقیات کی طرف سے چھپ کر شائع ہوا ہے، یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ

یہ تاریخ بھی جو اسلام کی ابتدائی تاریخ کے واقعات پر مشتمل ہے، وہی ابو مخنف، اور محمد بن سائب کلبی وغیرہ کی روایتون پر مبنی ہے، جن کی حیثیت تاریخ مین داستان گو سے زیادہ نہین، ہندوستان مین یہ کتاب حبیب کمپنی بک سیلر اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن سے نو روپیے (للعہ) مین ملیگی،

مجلس احیاء معارف نعمانیہ حیدر آباد دکن کا ذکر کئی دفعہ آچکا ہے، یہ مجلس چند علم دوست مخلص علماء کی تنہا کوششون سے چل رہی ہے، جن مین مولانا ابو الوفا صاحب قندھاری مدرس مدرسۂ نظامیہ حیدر آباد دکن کا نام خاص امتیاز رکھتا ہے، یہ مجلس ہندوستان، مصر، شام، قسطنطنیہ وغیرہ کے کتبخانون سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر حنفی فقہ کی قدیم بنیادی کتابون کو نکالتی، اور ان کو صحیح کر کے، ان پر حاشیے لکھکر بڑے اہتمام سے مصر مین چھپواتی ہے، اس سے پہلے چار اہم کتابین وہ چھپوا چکی ہے، اب اس نے اس سلسلہ کی پانچویں اور چھٹی کتاب شائع کی ہے، اور یہ دونون قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصنیف ہین،

پانچوین کتاب الرد علی سیر الاوزاعی ہے، امام اوزاعی نے سیر (یعنی اسلام کے جنگی قوانین) پر جو کتاب لکھی تھی، قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نقطۂ نظر سے اس پر اعتراضات کئے ہین، اور اپنے اختلافات لکھے ہین، چھٹی کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلی ہے، یہ دونون امام قاضی صاحب کے استاد تھے، شاگرد نے اپنے دونون استادون کے فقہی اختلافات پر یہ کتاب لکھی ہے،

جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا دار الترجمہ جو خدمتین انجام دے رہا ہے، ان سے علم کا کون

طالب و شائق واقف نہین، خصوصیت سے جب سے یہان کی نظامت کی باگ ہمارے فاضل دوست مولوی الیاس صاحب برنی کے ہاتھون مین آئی ہے، اس سال دار الترجمہ کی طرف سے ۳۷ کتابین تاریخ، فلسفہ، سائنس، طب، معاشیات، نفسیات، نباتات، تعمیرات وغیرہ مختلف علمی شاخون پر شائع ہوئی ہین، اور دار المصنفین کو موصول ہوئی ہین، ہم دار الترجمہ کی اس کامیابی پر اس کو دلی مبارکباد دیتے ہین،

دو برس کی بات ہے کہ ہم نے معارف مین مدینہ منورہ کے مشہور کتبخانہ شیخ الاسلام کے فاضل مدیر شیخ ابراہیم حمدی کی آمد کی اطلاع دی تھی، خدا کا شکر ہے کہ موصوف پچھلے سال ہندوستان سے خوش خوش واپس گئے، اس کتبخانہ کے لئے موصوف کو ایک قالین کی ضرورت تھی جس کے بچھانے کا حجاز مین عام رواج ہے، وہان کا پرانا رومی قالین سو برس کے استعمال مین بیکار ہو گیا تھا، خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان نے مرکز اسلام کی اس ضرورت کو بھی پورا کیا، ہمارے ملک مین مرزا پور اور بنارس کے اطراف مین دیسی قالین بننے کے اچھے اچھے کارخانے ہین، جن مین سے ایک بھدوئی (ریاست بنارس) مین ہے جس کے مالک ماسٹر [illegible] محمد صاحب بی اے ہین، موصوف کو جب کتبخانہ کی اس ضرورت کا علم ہوا تو انھون نے نہایت خندہ پیشانی سے اپنی طرف سے بلدۂ رسول اکرم صلعم مین یہ نذر گذراننا قبول کیا، اور بحمد اللہ کہ دو برس کی محنت شاقہ مین بڑے اہتمام سے نہایت خوشنما اور پائدار قالین جس کی لاگت پندرہ سو روپیہ کے قریب ہوگی تیار کر دیا ہے، اور اب وہ عنقریب مدینہ منورہ روانہ ہوگا، جزاہ اللہ خیر الجزاء،

مقالات

نامۂ خسروی

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم آصف سابع دام اللہ ملکہ

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

مولوی سید سلیمان صاحب ندوی

چونکہ بدو شعور سے میری طبیعت کا رنگ ایسا رہا ہی کہ جب تک مذہبی مسائل ہون یا دینی امور ہون، بعد تحقیق و تفتیش کوئی خاطر خواہ معقول وجوہ یا اسباب اسکے پائے نہ جائیں، اسکے قبول کرنے میں قلب کو پس و پیش رہتا ہی، چنانچہ مثال کے طور پر کہتا ہون کہ ائمۂ اربعہ فقہاء کے فتوے جو کچھ ہیں گو یہ سب اصول میں مذہب اسلام کے متفق ہیں آپس میں، تاہم فروعات میں ہر ایک کا اجتہاد جدا نوعیت کا واقع ہوا ہے، یعنی اس میں بھی ۴ فریق ہیں، یعنی احناف، شوافع، مالکی، حنبلی، اور صرف نماز کی ادائی کو ہی لیا جائے، تو معلوم ہوگا، کہ نمبر اول کے ہان نیت صلوٰۃ کے بعد ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، نمبر دوم کے ہان سینہ پر باندھنا، اور رکوع میں رفع یدین کرنا، نمبر سوم کے ہاں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا، اور نمبر چہارم کے ہان شاید پیروی کرنا ہے مخلوط نمبر ۲ و نمبر ۳ کی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہمارے نبی برحق نے بعض دفعہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھی ہی اور بعض دفعہ ہاتھ

چھوڑ کر بھی، لہذا دونوں طریقے درست ہیں، وغیرہ، اور بعض احناف کو میں نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے (مسجد میں) رکوع میں رفع یدین کرتے ہوئے جب کہ ان کے امام کے ہاں اسکی ضرورت
نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ،

پس اس خلجان اور مشترکہ حالات میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس امام کے فتوی کی پیروی
کیجائے، اور کس کا اجتہاد قوی ہے، (ان مسائل میں) اور کس کا قوی نہیں ہے، حالانکہ شریعت
اسلام میں ان چاروں ائمہ کے فتوے چالو ہیں، اور ہر ایک کو دوسرے پر برتری نہیں دیجاتی ہے بلکہ
اپنی اپنی جگہ سب کو درست سمجھا جاتا ہے، اور جب یہ کلیہ تسلیم کرلیا جائے گا، تو ہر امام کی پیروی
کرنے والا گروہ برجادۂ حق سمجھا جائے گا،

الحاصل میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں مولوی صاحب کا کیا خیال ہے، اور اگر
آئندہ کوئی موقع ہمدست ہوا تو اس وقت تفصیل سے ان امور پر بالمشافہ گفتگو بھی کرونگا مگر سردست
اسی پر اکتفا کرنا کافی سمجھتا ہوں،

آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میرے نزدیک انسان جس طرح سے چاہے خدا کی
عبادت کرسکتا ہے، بشرطیکہ اس کا طریقہ ایسا ہو جس کو کہ اسکے مذہب نے بتایا ہو، (یعنی اسکے
خلاف کوئی دوسرا طریقہ نہو) درانحالیکہ اس سے بحث نہیں کہ ان ارکان میں اگر خفیف ترمیم
پائی جائے، یا نوعیت شان بدلی ہوئی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے،

زیادہ امید ہے کہ مزاج روبصحت ہوگا،

آصف سابع

نامۂ خسروی

اور

اختلافات طریقۂ نماز

آج جب کہ امراء اپنے عیش خانوں میں یاد خدا سے غافل ہیں، اور ابنائے عصر زمانہ کے مہلک
اثرات سے متاثر ہو کر نماز جیسی چیز سے جس پر اسلام کی ساری عمارت کی بنیاد ہے، بے پرواہ ہیں کیا
یہ حیرت انگیز بات نہ ہوگی، کہ ایک سلطان وقت عیش خانہ کی آب و ہوا سے ناآشنا، اور زمانہ کے
اثرات سے بے پرواہ ہو کر یاد خدا کو اپنی زندگی کا فریضہ اور نماز کو اپنی زندگی کا دستور بنائے ہوئے
اور اسکی حیثیت صرف تقلیدی نہیں، بلکہ علم و نظر اور تحقیق و کاوش سے اسکے اصول و فروع کی
تفتیش کا ذوق رکھتا ہے،

اعلیٰ حضرت ادام اللہ ملکہ نے جس بحث کو چھیڑا ہے، وہ حقیقت میں تحقیق کے قابل ہے اور
اور جس نوع سے اختلافات کی تطبیق کا اشارہ فرمایا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، یعنی "وہ ایسا طریقہ
ہو جس کو اسکے مذہب نے بتایا ہو" اسلئے ہر وہ شے جو شارع کے حکم اور رسول کی سنت سے
ثابت نہ ہو وہ صحیح نہیں، اور وہ تمام طریقے جو رسول کی سنت سے ثابت ہون اور وہ سب صحیح
ہون، ان میں سے ہر طریقہ امت کیلئے قابل اختیار ہے، اور اگر ان میں سے کوئی طریقہ مقابلۃً
زیادہ صحیح طریقہ سے ثابت ہو، تو وہ مستحب تر، اور دوسرے طریقے بحد جواز رہین گے،

اصل نماز قیام وقعود ورکوع وسجود، اور قرأت کا نام ہے، اس میں تمام فقہا، اور مجتہدین متفق ہیں، اختلاف فروعی باتوں میں ہے، ان فروعی باتوں میں سے ہر بات کسی نہ کسی روایت میں آئی ہے، اسلئے جو جس روایت کو زیادہ صحیح سمجھتا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے،

لیکن ان فروعیات میں ایک بات ایسی ہے، جو کسی روایت اور رسول علیہ السلام کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے، اور وہ بات قیام میں ہاتھوں کو چھوڑ کر (ارسال) نماز پڑھنا ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ مالکیہ کا عمل اسی پر ہے، مگر کوئی معمولی سی معمولی روایت ان کے پاس انکے اس عمل کی تائید میں نہیں ہے، بلکہ ان کے مجتہد وامام حضرت امام مالک کی کتاب موطا میں بھی ہاتھ باندھ کر ہی نماز پڑھنے کی روایت ہے، (ص۵۵) نیز ان کی سب سے مستند فقہ کی کتاب مدونہ میں بھی ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، (ص ۷۰، ج ۱) کہتے ہیں کہ عباسیہ کے زمانہ میں امام ممدوح کو ایک فتوی کی بنا پر جو حکام سلطنت کی مرضی کے مطابق نہ تھا، کوڑے مارے گئے تھے، جس سے ان کا شانہ اتر گیا تھا، وہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر نہیں رکھ سکتے تھے، انکے پیرو ون نے یہ دیکھا تو سمجھے کہ ان کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھنا نہیں، بلکہ چھوڑنا ہے،

یہ تاویل کہیں نواب صدیق حسن خان کی کتابوں میں نظر سے گذری تھی، مگر مدونہ کے دیکھنے سے جو امام مالک کے خاص شاگرد کی تصنیف ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ امام مالک فرض میں ہاتھ باندھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے،

وقال مالك في وضع اليمنى	مالک نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ
على اليسرى في الصلاة قال	پر نماز میں رکھنے کی نسبت کہا کہ میں
لا اعرف ذلك في الفريضة	اسکو فرض نماز میں نہیں جانتا، اور وہ
وكان يكرهه ولكن في النوافل	اس کو ناپسند کرتے تھے لیکن نفل

اذا طال القيام فلا باس بذلك	نمازوں میں جب قیام لمبا ہو تو کچھ حرج
يعين به نفسه، (ص۷۴ جلد ا مصر)	نہیں کہ اس سے سہارا لے،

مگر امام کے دوسرے شاگردوں نے مشہور کے مطابق امام سے ہاتھ باندھنے ہی کی روایت کی ہے، اور امام نے خود ہی اپنی تصنیف موطا میں یہ دو روایتیں نقل کی ہیں، ایک یہ کہ تین باتیں شریعتوں کے متفقہ امور میں سے ہیں، جن میں سے ایک نماز میں ہاتھ باندھنا ہے اسکے بعد امام مالک اوسکی تشریح فرماتے ہیں کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے، دوسری روایت امام نے یہ نقل کی ہے "لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا، (یعنی رسول اللہ صلعم حکم دیتے تھے) کہ نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں" راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کی نسبت رسول اللہ صلعم کی طرف ہے،

(موطا امام مالک باب وضع اليدين احداهما على الاخرى)

پہلی حدیث کی شرح میں مالکی محدث زرقانی نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"اشہب نے مالک سے نقل کیا کہ نفل اور فرض نمازوں میں ہاتھ باندھنے میں مضائقہ نہیں، مالک کے مدنی شاگردوں نے یہی کہا ہے، اور مطرف اور ابن ماجشون نے کہا کہ مالک نے اسکو اچھا سمجھا ہے، حافظ ابن عبد البر (مالکی) کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلعم سے ہاتھ باندھنے کے سوا کوئی اور دوسری روایت نہیں آئی ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہی جمہور صحابہ اور تابعین کا مسلک ہے، اور اسی کو مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے، اور مالک کے شاگردوں میں سے ابن منذر وغیرہ نے اسکے سوا دوسری بات مالک سے نقل نہیں کی ہے، البتہ مالک کے شاگرد ابن قاسم نے مالک سے ہاتھ چھوڑنا نقل کیا ہے، اور اس کو اکثر مالکیون نے قبول کیا ہے، (ص۲۶۳ مصر)

باجی مالکی نے بھی شرح موطا میں ایسا ہی لکھا ہے، (ص۲۸۱ مصر)

بہرحال ہاتھ چھوڑنے کی نسبت امام کی رائے اگر ہو بھی تو اس رائے کو خود ان کے بڑے بڑے شاگردوں نے صحیح روایات کی بنا پر رد کر دیا، چنانچہ مدوّنہ میں اسکے بعد ہی ہے،

قال سحنون عن ابن وهب	سحنون نے کہا ابن وہب سے روایت
عن سفیان الثوری عن غیر	ہے، اور وہ سفیان ثوری سے روایت
واحد من اصحاب رسول اللہ	کرتے ہیں، کہ انھوں نے بہت سے اصحاب
صلعم انھم رأوا رسول اللہ صلعم	رسول صلعم سے سنا ہے، کہ انھوں نے
واضعا یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ	رسول اللہ صلعم کو نماز میں دیکھا کہ وہ داہنے
(ص ۷۶، جلد مصر)	ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے تھے،

غرض کسی مجتہد کی ایسی رائے جو رسول اکرم صلعم سے ثابت یا آپ کے کسی قول و عمل سے مستنبط نہیں، قابل حجت نہیں، باقی تمام اختلافات فروعی ہیں، جو صحت نماز میں قادح نہیں، نامۂ خسروی کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے:۔

"دران حالیکہ اس سے بحث نہیں کہ ان ارکان میں اگر خفیف ترمیم پائی جائے یا نوعیت شان بدلی ہوئی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے"۔

اس فقرہ کا ظاہری مطلب خود اعلیٰ حضرت کے سابق کے اس ارشاد گرامی کے خلاف ہے:۔

بشرطیکہ اس کا طریقہ ایسا ہو، جس کو کہ اسکے مذہب نے بتایا ہو، (یعنی اوسکے خلاف کوئی دوسرا طریقہ نہ ہو)

مقصد یہ ہو کہ عبادات تمامتر وحی کی تعلیم سے ہیں، اس تعلیم میں کسی انسانی رائے سے خفیف سی خفیف ترمیم یا نوعیت شان کی تبدیلی جائز نہیں، یہ خالق فطرت ہی کو معلوم ہے،

اور اوسی نے انبیا کو وحی سے بتایا، اور انھوں نے ہم کو سکھایا، کہ ہم کس طرح اوس کی عبادت کریں،

مگر اعلیٰ حضرت کے اس آخری ارشاد سے کہ

"آخر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ میرے نزدیک انسان جس طرح سے چاہے خدا کی عبادت کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا طریقہ ایسا ہو جسکو اوسکے مذہب نے بتایا ہو"

یہ ظاہر ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ منشا نہیں کہ ہر انسان کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے، وہ اپنے خدا کی عبادت کرے، کیونکہ اعلیٰ حضرت نے شرط لگا دی ہے، بشرطیکہ وہ طریقے اسکے مذہب نے بتائے ہوں، اسلئے اعلیٰ حضرت کے اس عموم کا مقصد یہ ہے کہ مذہب اور صاحب مذہب سے جو جو طریقے مروی ہیں، ان میں سے کسی ایک طریق کو جو چاہے اختیار کرے، اس پر تقیید نہیں ہے، کہ کسی ایک طریق ہی کو جائز اور دوسرے کو تمامتر ناجائز سمجھا جائے،

اعلیٰ حضرت کے اسی منشا کی تائید اعلیٰ حضرت کے کلام سابق سے ہوتی ہے،

"بلکہ اپنی اپنی جگہ پر سب کو درست سمجھا جاتا ہے، اور جب یہ کلیہ تسلیم کر لیا جائیگا تو ہر امام کی پیروی کرنے والا اگر وہ برجادۂ حق سمجھا جائے گا"۔

اب رہی یہ بات کہ

"کس امام کے فتویٰ کی پیروی کی جائے، اور کس کا اجتہاد قوی ہے، (ان مسائل میں) اور کس کا قوی نہیں"۔

تو اس کا حل یہ ہے کہ جو فتوی کلام الٰہی اور ارشاد رسالت پناہی کے عین مطابق ہو، وہی قوی اور صحیح ہے، اور اگر احتمال تعدد کا ہے، یا محض رائے و استنباط کا دخل ہے، تو جو احتمال اور رائے و استنباط کلام الٰہی اور ارشاد رسول کریم علیہ السلام سے قریب تر ہو وہی

قوی ہوگا، اور اگر ان میں دلائل کا تعارض ہے، اور ہر ایک کی دلیل اپنی جگہ پر صحیح معلوم ہوتی ہے، تو جس کو جو بات صحیح معلوم ہو، اوسی پر وہ عمل پیرا ہو، مگر اسکو چاہئے، کہ وہ دوسرے کو برسر غلط نہ کہے، کیونکہ یہ ایسے اختلافات ہیں، جن سے دین کیا دنیا کے معاملات بھی خالی نہیں ججوں کے بہترین دماغ، وکلار کی بہترین قابلیتیں، اور قانون کے دفعات کی ہر لحاظ سے محتاط عبارتیں بھی انسانی فطرت کے اس اختلاف کو اب تک نہ مٹا سکی ہیں، نہ مٹا سکیں گی ؛
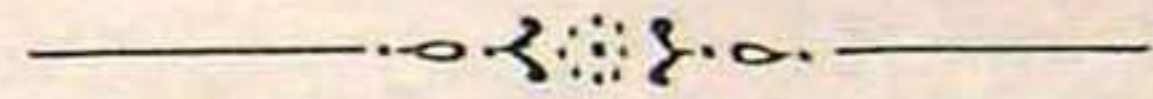
ہمارے علم کی حقیقت

از

جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی استاذ فلسفہ و دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

"جہول" انسان علم کا اتنا دیوانہ اور جاننے میں اتنا غرقاب ہے، کہ خود جاننا یا علم ہے کیا ؟ اس کو بہت کم سوچتا ہے، اور اکثر نہ جاننے کو جاننا یقین کرتا، اور علم کے نام سے جہل در جہل (جہل مرکب) میں گرفتار رہتا ہے، بہت دور تک اور بہت گہرائی تک جاننے کا دعویٰ فلسفہ کو ہے، لیکن اس میں بھی یہ سوال کہ خود جاننا ہے کیا، ؟ پوری طرح بہت دیر میں اپنی طرف ملتفت کر سکا، قدیم یونانی فلسفہ میں سوفسطائیہ و ارتیابیہ نے کچھ کھل کر بحث کو چھیڑا تھا، مگر ایک نے اس سے نظامِ خلائق کو برہم کرنا چاہا، اور دوسرے نے شک ولا علمی میں ایسا غلو کیا، کہ دونوں سنجیدہ توجہ و قبول سے محروم رہے،

اس طرح گو یہ بحث بھی آسمان کے نیچے نئی نہیں، تاہم جدید فلسفہ میں اگر کسی شے کو جدید کہا جاسکتا ہے، تو وہ حقیقتِ علم ہی کے متعلق سوالات کی تحقیق و تفصیل ہے، سنہ ۱۶۷۱ء کی کوئی تاریخ ہے، کہ جان لاک نامی انگلستان کا ایک جواں سال دیوانۂ علم چند دوستوں کے ساتھ اصولِ اخلاق اور الہامی مذہب جیسے مسائل پر سرگرمِ مباحثہ ہے، بحث کو تو وقت ختم ہی کر دیتا ہے لیکن مسائل

جہاں تھے وہیں رہے، اور جب خود بقول لاک کے کوئی نتیجہ اور حل نہ نکلا، تو "ہم کو خیال آیا، کہ ہماری راہ غلط ہے، اور اس طرح کے مسائل کی تحقیق سے پہلے ضروری ہے، کہ ہم خود اپنی قابلیتوں کی تحقیق کریں، اور دیکھیں کہ کن مباحث کے لئے ہماری قابلیات فہم موزوں ہیں، اور کن کے لیے نہیں جاننے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے، کہ ہم کیا جان سکتے ہیں، اور کیا نہیں؛؟

غرض لاک نے کہنا چاہیے، کہ پہلے پہل "وجود" کے بجائے "علم" کو فلسفہ کا مستقبل موضوع بنایا، جس نے آگے چل کر علمیات (اپسٹما لوجی) یا نظریۂ علم کا نام پایا، اور "انسانی فہم" پر خود اسی نام[1] سے سیکڑوں صفحے کی ضخیم کتاب لکھی، پھر جو اس بحث کا سلسلہ چلا، تو اب تک سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں، اور لکھے جا رہے ہیں، اس سے قبل نظریۂ علم سے متعلق جو کچھ خیالات ملتے تھے، وہ زیادہ منطق و نفسیات وغیرہ کے ضمن میں،

اب تک فلسفہ نے انسانی عقل و فہم کی حدبندیوں پر اصرار نہیں کیا تھا، اس کی رسائی سے زمین و آسمان کی کوئی شے محسوسات و مجردات کا کوئی گوشہ باہر نہیں خیال کیا جاتا تھا، آدمی سب کچھ جان سکتا ہے، اور سب کچھ جاننا چاہیے، قافلے پر قافلے اسی راہ سے چلے جا رہے تھے، اور منزل کا نشان ناپید تھا، الفاظ کے گورکھ دھندوں کا نام اسرار علم رکھ لیا گیا تھا، اکثر موٹے موٹے بے معنی اور بے محل لفظوں کا لقب اعلیٰ و عمیق تعلیم تھی، جن کا مطلب نہ کچھ بولنے والے سمجھتے تھے، نہ سننے والے، اپنے جہل کی پردہ پوشی اور سچے علم کی راہ سے دوری کے سوا کچھ حاصل نہ تھا،

لہذا سب سے پہلے لاک کے نزدیک خود "انسانی علم کی اصلیت، قطعیت اور وسعت کی تحقیق" ضروری ہے، ہم کیسے جانتے ہیں،؟ کیا جانتے ہیں؟ اور کہاں تک جانتے ہیں،؟ ہمارے علم کی اصل اور تصورات کا سرچشمہ کیا ہے، یہ کہاں سے آتے ہیں، (بدایت علم کا سوال) اس علم کی نوعیت کیا

[1] An Essay Concerning Human understanding

ہوتی ہے، اسکی قطعیت و شہادت کا کیا مرتبہ ہے،؟ (حقیقت یا ماہیت علم کا سوال) اور اس کی رسائی کے حدود کیا ہیں،؟ (وسعتِ علم کا سوال) دراصل سارے مباحث کا حاصل و مقصود آخری ہی سوال کا فیصلہ ہے، اسلئے کہ اگر ہم اپنی فہم کی قابلیتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے، اپنے علم کی وسعت کو ایک مرتبہ جان لیتے، اور اس افق کو پا لیتے، جو اشیاء کے روشن اور تاریک حصوں یا قابل فہم و ناقابل فہم کے مابین حدبندیاں کر دیتا، تو پھر غالباً لوگ بہت کم پس و پیش کے ساتھ ثانی الذکر کی نسبت اعتراف جہل پر راضی رہتے، اور اول الذکر کے متعلق اپنی بحث و فکر کو زیادہ نتیجہ خیز اور تسلی بخش طور سے استعمال کرتے"؛

لاک نے سارا زور کہنا چاہیے، کہ سوال اول ہی کے جواب پر صرف کر دیا ہے، کہ باقی دونوں کا فیصلہ اسی سے از خود ہو جاتا ہے، کتاب کا بہت بڑا حصہ یعنی "فہم انسانی" کے سفر سوم تک یہی بحث پھیلتی چلی گئی ہے، کہ انسان کے علم کا ماخذ و مبدء کیا ہے، اور اس کے مختلف قسم کے تصورات کیسے اور کیونکر پیدا ہوتے ہیں،۔

شعوری زندگی میں قدم رکھتے ہی انسان کے اندر اور باہر سے گوناگوں تجربات کا ایک سمندر ابل پڑتا ہے، جس کی موجوں کا سلسلہ ساحلِ حیات تک چلا جاتا ہے، رنگ، روشنی، سردی گرمی، آواز، مزہ، بو، شکل صورت، حرکت سکون، قرب و بعد، صلابت و امتداد (پھیلاؤ) زمان و مکان، صغر و کبر، جز و کل، محدود و نامحدود، حق و باطل، خیر و شر، رنج و راحت، لذت و الم، حسن و عشق، شک و یقین، علت و معلول، وجود و عدم، قوت و ارادہ، وحدت و کثرت، عینیت و غیریت، غرض جو اور جس طرح کے بھی ادراکات یا "تصورات[1]" ہوں ان کی نسبت اگر کسی سیدھے سادھے عامی آدمی کے

[1] تصورات سے مراد لاک کے نزدیک تمام ایسے ادراکات یا احوال شعور ہیں، جن پر ذہن اپنی فکر کو استعمال کر سکتا یا جن کو سوچ سکتا ہے،

ذہن کو ٹٹولا جائے، تو وہ یہی سمجھا ہوگا، کہ یہ سب کی سب اسکے اندر یا باہر ذہن یا خارج کے ایسے معلومات ہیں، جو اسی دنیا میں آکر اور اسی زندگی کے تجربات سے کسی نہ کسی طرح حاصل یا پیدا ہوتے ہیں کسی اور دنیا سے پیدایش کے ساتھ ہم ان کو لیکر نہیں آتے،

لیکن فلسفی اگلے ہوں یا پچھلے، ان کے اکثر اکابر کا خیال بالکل برعکس رہا ہے، قدیم دور کے سب سے بڑے فلسفی فلاطون نے تو اپنے شہرۂ آفاق عالم مثال کی ایک نئی دنیا ہی آباد کر دی تھی، اور کلیات کا علم اوس کے نزدیک انسان تمامتر اسی نئی دنیا سے اپنی پیدایش کے ساتھ لاتا ہے، اسکندریہ کے فلسفہ تک آتے آتے نئے فلاطون (فلاطینوس) نے کلیات کے ساتھ جزئیات کی آبادی کو بھی عالم مثال کی طرف منتقل کر دیا، فلسفۂ جدیدہ کے بانی ڈیکارٹ نے بھی تصورات کی تین قسمیں قرار دے کر ایک کی نسبت یہی دعویٰ کیا، کہ "ان کو ہم خود اپنی جبلت و فطرت کے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں"۔

لاک ان سب کے برخلاف ایک طرف سلباً اس کا مدعی ہے کہ فطرت سے انسان اپنے لوح ذہن کو بالکل سادہ لیکر آتا ہے، اس پر کوئی جلی و خفی نقش قطعاً موجود نہیں ہوتا، دوسری طرف ایجاباً اس کا دعویٰ ہے، کہ جو کچھ اور جس طرح کا علم بھی انسان کو حاصل ہے، وہ سارا کا سارا پیدایش کے بعد اسی دنیا میں تجربات کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اصطلاحاً یوں کہو کہ ہمارے اندر علم حضوری کا جو پہلے سے حاضر فی الذہن ہو، ایک نقطہ بھی نہیں، جو کچھ ہے، سب کی سب محض حصولی یعنی بعد کو تجربہ سے حاصل کردہ، بس یہی دو سلبی اور ایجابی مقدمات لاک کے نظریۂ علم کے تمام نتائج کی بنیاد ہیں،

علم حضوری کے قائلین دو دلیلیں پیش کرتے ہیں، (۱) ایک تو بعض نظری و عملی اصول کا عالمگیر طور پر مسلم ہونا (۲) دوسرے ہر انسان کا عقل و تمیز کو پہونچتے ہی ان کا معلوم و قبول کر لینا،

لاک دونوں باتوں کو سرتاپا غلط کہتا ہے، بدیہی سے بدیہی قضایا کو لو، مثلاً الف الف ہے (قانون عینیت) یا یہ ناممکن ہے، کہ الف الف ہو بھی، اور نہ بھی ہو، (قانون تناقض) کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا علم عالمگیر ہے، جو بچوں، احمقوں، دیوانوں، وحشیوں سب کو حاصل ہوتا ہے، ان تجریدات وکلیات تک انسان مدتوں کے تجربہ کے بعد جا کر کہیں پہونچتا ہے، یہی حال اخلاقی و عملی اصول یا ضمیر کا ہے، کہ عمل و اخلاق کا کوئی اصول ایسا نہیں، جو نفع و ضرر کے تجربات کے بعد نہ بنا ہو اور جس کو ساری دنیا یکساں طور سے مانتی ہو، مثلاً:-

"ہرچہ برخود نپسندی بہ دیگران مپسند"

کون کہہ سکتا ہے، کہ بچوں یا وحشی اقوام میں یہ اصول عالمگیر طور پر مسلم ہے، ضمیر بھی ایک قوم کا کچھ ہے، اور دوسری کا کچھ، قوم تو قوم بہتیری چیزوں میں فرد فرد کا ضمیر الگ ہوتا ہے، اس سے بڑھکر یہ کہ ایک ہی فرد کا آج کچھ ہوتا ہے اور کل کچھ، اور "بفرض یہ مان بھی لیا جائے، کہ کچھ صداقتیں ایسی ہیں، جس پر تمام بنی نوع انسان متفق ہیں، تو بھی ان کا حضوری ہونا اس وقت تک لازم نہیں آتا، جبتک انکے متفق علیہ ہونے کی کوئی اور توجیہ نہ کیجا سکے"[1]

دوسری دلیل اور بھی عجیب تر ہے، کسی بات کا ذہن میں پیدایش سے پہلے ہی موجود ہونا، پھر اس کے قبول کے لئے عقل و تمیز یا سن شعور کا انتظار کیا معنی! گویا جو کچھ پیدایش سے قبل ہی معلوم ہے، وہ بعد پیدایش سالہا سال نامعلوم رہتا ہے، تو اس کا علم و عدم علم یا ذہن میں وجود و عدم برابر ہو گیا، "جس بات کا ذہن کو نہ اب تک علم ہوا ہے نہ شعور، اس کو ذہن میں موجود کیسے کہا جا سکتا ہے، ورنہ پھر تو تمام باتیں جن کو ذہن کبھی بھی معلوم کرتا یا کر سکتا ہے، وہ پہلے ہی سے اس میں موجود و مرتسم قرار دیجا سکتی ہیں"۔ اور یہ کہنا کہ ہر شخص ان کو عقل سے معلوم

[1] تمام ایسے مسلمات کی ایک ایک کر کے لاک نے تجربہ سے توجیہ کی ہے،

کر لیتا، ان کے حضوری ہونے کے بجائے اسلئے یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا علم استعمالِ عقل کے بعد حاصل ہوتا ہے، اسلئے کہ

"اگر یہ حضوری و خلقی ارتسامات ہوتے، تو ایسے اشخاص (بچے، احمق، وحشی وغیرہ) کے لئے سب سے بڑھ کر صاف و واضح ہوتے جن میں ان کا سرے سے ہم کو کوئی نشان ہی نہیں ملتا، جو میرے نزدیک ان کے غیر حضوری ہونے کے خیال کو بہت قوی کر دیتا ہے،... کیونکہ بچے، احمق، وحشی، اور ان پڑھ آدمی کا ذہن سب سے کم خارجی (یا حصولی واکتسابی) خیالات سے فاسد ہوتا ہے"[1]
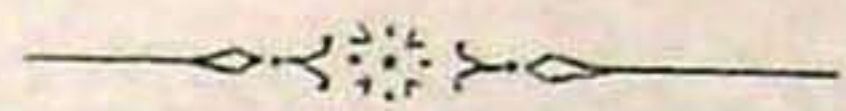
غرض علم کے مبدء و ماخذ کا پہلا سوال کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ لاک کے پاس اس کا جواب صرف ایک لفظ ہے، "تجربہ" انسان ذہن کی لوح کو بالکل سادہ لیکر اس دنیا میں داخل ہوتا ہے، اور یہاں آکر جو کچھ جانتا یا جان سکتا ہے، اس کا سرچشمہ ہماری ایسی دنیا، اور اسی زندگی کے تجربات اور صرف تجربات ہوتے ہیں، البتہ ہابس اور گسنڈی کے دعوے کے برخلاف وہ ان تجربات کی راہ حس اور آلاتِ حس کے علاوہ، خود اپنے ذہن کے افعال و کیفیات پر فکر و تامل کو بھی قرار دیتا ہے، خارجی چیزوں کا تجربہ حس سے حاصل ہوتا ہے، اور ذہنی کیفیات کا تامل[2] سے، بس یہی خارجی و داخلی یا حسی و تاملی تجربات ساری کارگاہِ علم کا تانا بانا ہیں، اور جب علم کے تار و پود تمامتر اکتسابی و حصولی ہیں، تو پھر ان سے جو قضایا بنتے ہیں، وہ کیسے خلقی یا حضوری ہو سکتے ہیں،

[1] تحقیقات فہم انسانی ص ۲۲، از جان رسل، مطبوعہ نیو یارک، اکثر اقتباسات اسی سے ماخوذ ہیں، [2] (Reflection) کے لئے تامل سے بہتر لفظ نہیں ملا، فکر یا تفکر Thinking کے لئے زیادہ موزوں و مستعمل ہے، تامل کو لاک تفکر کے محدود و مخصوص معنی میں نہیں لیتا بلکہ اس سے مراد ذہن کا خود اپنے افعال کا مشاہدہ یا شعور ہے،

اس دعوی کو اصلی مدعی کی زبان سے بھی سن لو،

"ذہن کو ایک سادہ کاغذ فرض کر لینے کے بعد جو تمام نقوش و تصورات سے قطعاً خالی ہے، سوال یہ ہے کہ پھر اس کے پاس یہ سامان کہاں سے آتا ہے،؟ طرح طرح کے نقش و نگار اور ان گنت خیالات کا یہ ذخیرہ کہاں سے فراہم ہوتا ہے، اور علم و استدلال کا سارا سرمایہ کہاں سے حاصل ہوتا ہے،؟ میرا جواب ایک لفظ میں یہ ہے، کہ "تجربہ" سے، تجربہ ہی پر ہمارے سارے علم کی بنیاد ہے، اور اسی سے یہ بالآخر ماخوذ ہوتا ہے، ہمارے مشاہدہ کا تعلق یا تو خارجی حسی اشیاء سے ہوتا ہے، یا ذہن کے داخلی افعال سے، جن کا ہم خود ادراک کرتے یا جن پر تامل کرتے ہیں، بس یہی دو چیزیں ہیں، جو ہماری فہم کے لئے سارا موادِ فکر مہیا کرتی ہے، علم کے یہی دو سرچشمے ہیں جن سے ہمارے تمام تصورات جو حاصل ہیں، یا ہو سکتے ہیں، اُبلتے ہیں"[1]

خلاصہ یہ کہ ذہن جو کچھ جانتا اور خیال کرتا یا کر سکتا ہے، وہ عبارت ہے تمامتر انکی حسی یا تاملی تجربہ کے پیدا کردہ تصورات سے،

ان تصورات کی دو قسمیں ہیں، بسیط اور مرکب،

۱۔ بسیط تصورات نام ہیں، حس اور تامل کے ان عنصری تجربات یا ابتدائی ارتسامات کا جن کے ادراک میں ذہن کی حیثیت محض انفعالی ہوتی ہے، جس طرح آئینہ کی اُن اشیاء کے انعکاس میں جو اس کے سامنے آتی ہیں، یہی بسیط تصورات ہمارے سارے علم اور مرکب تصورات کا مواد و عناصر ہوتے ہیں،

"اشیا کی جو صفات، ہمارے حواس کو متاثر کرتی ہیں، گو وہ خود ان اشیاء میں

[1] سفر دوم باب اول فہم انسانی،

ایسی باہم مخلوط و متحد ہوتی ہیں، کہ ان میں کوئی بعد و فصل نہیں پایا جاتا، تاہم یہ ظاہر ہے، کہ جو تصورات ذہن کے اندر حواس کی راہ سے یہ پیدا کرتی ہیں، وہ بسیط اور غیر مخلوط ہوتے ہیں،...... مثلاً انسان بوقت واحد موم کے ایک ٹکڑے میں آنکھ سے حرکت و رنگ دیکھتا، اور ہاتھ سے گرمی و نرمی محسوس کرتا ہے، تاہم یہ بسیط تصورات جو ایک ہی شے میں متحد ہیں، اسی طرح ایک دوسرے سے بالکلیہ ممتاز ہیں جس طرح وہ جو مختلف حاسوں سے حاصل ہوتے ہیں، برف کے ایک ٹکڑے میں آدمی سردی و سختی کا جو احساس کرتا ہے، ان دونوں سے تصورات ذہن میں اسی طرح الگ الگ ہوتے ہیں، جس طرح نرگس کی خوشبو اور سفیدی یا جس طرح شکر کے مزے اور گلاب کی خوشبو کے"۔[1]

یہ تصورات بسیط بعض صرف ایک حاسہ سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے رنگ، بو، مزا، کہ صرف باصرہ، شامہ اور ذائقہ سے حاصل ہوتے ہیں، بعض ایک سے زائد حاسوں سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے امتداد، شکل، حرکت، کہ یہ باصرہ، اور لامسہ دونوں سے حاصل ہوتے ہیں، بعض صرف تامل سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے شک، یقین، ارادہ، اور بعض حس و تامل دونوں سے جیسے لذت و الم اور قوت کے تصورات، بدبو بھی موجب الم ہوتی ہے، اور خوشبو بھی،

۲- جب ان بسیط تصورات کا ذخیرہ ذہن میں فراہم ہو لیتا ہے، تو ان ہی میں ترکیب و تجرید اور تعلق پیدا کرکے ذہن اپنے تصرف سے انواع و اقسام کے مرکب تصورات بناتا ہے گویا بسیط تصورات مرکب تصورات کے عناصر ترکیبی ہیں، اور ان کی تعمیر و ترکیب میں ذہن اپنی قوت و تصرف سے کام لیتا ہے، تصورات بسیط کی طرح محض انفعالاً ان کو قبول نہیں کر لیتا،

[1] سفر دوم باب ۲ بحوالہ بالا،

"جس طرح بسیط تصورات مختلف مجموعوں میں متحد ہو کر دیکھے اور پائے جاتے ہیں، اُسی طرح ذہن میں اسکی قوت ہے کہ مختلف تصورات بسیط کو ملا کر ایک تصور کی حیثیت سے ملحوظ رکھ سکتا ہے، اور یہ نہیں کہ وہ ان کو صرف اسی طرح ملا سکتا ہے، جس طرح خارج میں ملکر پائے جاتے ہیں بلکہ جس طرح خود چاہے، ملحوظ رکھ سکتا ہے، اسی طرح جو تصورات مختلف تصورات بسیطہ کو ملا کر بنتے ہیں، ان کو میں مرکب تصورات کہتا ہوں، مثلاً حسن، تشکر، آدمی، فوج، کائنات کہ جو مختلف بسیط تصورات یا ایسے مرکب تصورات کے پیچیدہ مجموعے ہیں، جو خود بسیط تصورات سے بنے ہیں، تاہم ذہن کی حسب مرضی ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک مستقل چیز خیال کیا جاتا، اور ایک نام سے موسوم کیا جاتا ہے"۔

یہ تصورات مرکبہ گو بے شمار اور طرح طرح کے ہوتے ہیں، تاہم ان کی اصلی قسمیں تین ہی ہیں، شیون (یا اعراض) جواہر اور علائق (یا اضافات) شیون بذات خود قائم نہیں ہوتے، نہ کوئی مستقل وجود رکھتے ہیں، بلکہ دوسرے کے ساتھ قائم اور اپنے وجود میں اس کے محتاج ہوتے ہیں، مثلاً مثلث، شکر گذاری، قتل وغیرہ، بخلاف اس کے جواہر سے مراد ان اعیان یا اشیاء کے تصورات ہیں، جو بذات خود قائم ہیں، یہ تصورات اس طرح حاصل ہوتے ہیں، کہ مختلف حواس کے بعض بسیط تصورات کا یکجا تجربہ ہوتا ہے، اسلئے ان کے مجموعہ کو ایک شے سمجھا جاتا ہے، اور ایک ہی نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مثلاً ایک خاص شکل و صورت، خاص حرکات و سکنات، اور عقل و استدلال کی قوتوں وغیرہ کے یکجائی و مجموعی تجربات کا نام انسان ہے، تیسری قسم کے مرکب تصورات علائق یا اضافات کو ظاہر کرتے ہیں یعنی ان روابط و تعلقات کو جو مختلف اشیاء ایک دوسرے کیساتھ رکھتی ہیں،

ان بسیط اور مرکب تصورات کے بننے بنانے میں ذہن و فہم کے جو ملکات و تصرفات بروئے کار آتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:[2]

[2] دیبر (تاریخ فلسفہ) صفحہ ۳۸

۱- ادراک :- یہ علم کا پہلا درجہ، اور مواد علم کے داخلہ کا دروازہ ہے،

۲- حافظہ :- اس کا کام تصورات کو محفوظ رکھنا، اور ان کا اعادہ ہے،

۳- تمیز :- اس سے ذہن مختلف تصورات میں فرق و تمیز کرتا ہے،

۴- موازنہ :- اس سے تصورات میں ایک دوسرے کے ساتھ علائق و اضافات قائم ہوتے ہیں،

۵- ترکیب :- اس کے ذریعہ ذہن مختلف تصورات بسیط کو ملا کر مرکب تصورات بناتا ہے،

۶- تجرید :- اس کے ذریعہ سے ذہن جزئی اشیاء کے جزئی تصورات کو عام و کلی تصورات بناتا ہے، اس طرح کہ زمان و مکان اور دیگر عوارض سے جو اس کے وجود بالفعل کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، قطع نظر کر لیتا ہے، یہ قوت صرف انسان کو حاصل ہے، باقی میں دیگر حیوانات بھی کم و بیش شریک ہیں،

مرتبۂ ادراک میں ذہن منفعل ہوتا ہے، بعد کے مراتب میں تدریجاً اسکی فاعلیت بڑھتی جاتی ہے، انھی مختلف قابلیات و ملکات سے فعلاً یا انفعالاً ہر طرح کے بسیط و مرکب تصورات حاصل ہوتے، اور ہر قسم کے انسانی معلومات و خیالات کی ان ہی سے توجیہ و تشریح ہو جاتی ہے، ذہن کی ان قوتوں اور حسی و تاملی تجربات کے باہمی فعل و انفعال کے علاوہ کسی دوسرے حضوری ذریعۂ علم کے فرض کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں، اور لاک نے "فہم انسانی" کی دو ضخیم جلدوں کے بڑے حصہ میں ایک ایک تصور کو لیکر اسی دعویٰ کے تحت اسکی توجیہ و تفصیل کی کوشش کی ہے،

ان میں سے ہم ذیل میں بعض زیادہ اہم اور ایسے تصورات سے مختصراً بحث کریں گے، جن کی بظاہر اس طریقہ سے توجیہ مشکل معلوم ہوتی ہے،

فلسفہ کی دنیا میں سب سے اہم بحث ہمیشہ وجود کی رہی ہے، جس کا بہت بڑا مظہر جس سے ہماری دنیا اور سارا عالم آباد ہے، وہ موجودات ہیں جن کو ہم ان کے جاننے یا ادراک کرنیوالے

ذہن سے باہر مستقل بالذات موجود سمجھتے ہیں، ان ہی کو ہم موجوداتِ واقعیہ و خارجیہ خیال کرتے ہیں، جو اپنے وجود میں ہمارے یا کسی کے ادراک و اعتبار کے تابع نہیں، ان کا جاننے یا شعور و تصور کرنے والا کوئی ہو یا نہ ہو، یہ بہرحال اپنی جگہ پر موجود و قائم رہتے ہیں،

لاک کے اصل موضوع کو گو براہِ راست ان موجوداتِ خارجیہ سے بحث نہیں، بلکہ محض ان کے ذہنی تجربات و تصورات سے، مگر خود ان تصورات ہی کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے، کہ آیا یہ سارے کے سارے، اُن اشیاء کی جو خارج از ذہن موجود ہیں، محض ایک انفعالی تصویر و عکس ہیں، یعنی جو چیز جیسی خارج میں موجود ہے، ویسا ہی اس کا عکس آئینہ کی طرح ہمارے ذہن میں اتر آتا ہے، یا اسی کو یوں کہو کہ جس طرح کی تصویر یا تصور ہمارے ذہن میں پایا جاتا ہے، خارجی اشیاء بعینہٖ ایسی ہی ہوتی ہیں، یا کچھ فرق ہوتا ہے، عوام کیا خواص بھی بالعموم یہی سمجھتے سمجھاتے رہے ہیں، کہ آم کا جو مزہ، جو رنگ، جو بو ہم محسوس کرتے ہیں، وہی بعینہٖ خود آم میں بلا ہمارے احساس و ادراک کے موجود ہے،

مگر اس باب میں لاک نے اپنے پیشرو ہابس اور ڈیکارٹ کی طرح اشیاءِ خارجی کے اُن صفات کی جس سے ہمارے مختلف احساسات و تصورات پیدا ہوتے ہیں، دو قسمیں قرار دی ہیں، اوّلی، و ثانوی، صفاتِ اوّلیہ، بعینہٖ اسی طرح خارجی اشیاء میں موجود ہیں، جس طرح کہ ہم ان کا تصور کرتے ہیں، یعنی ہمارا تصور اصل کے مطابق تصویر یا مثنیٰ ہوتا ہے، بخلاف صفاتِ ثانویہ کے کہ ان کے مطابق و مماثل کوئی صفت ذہن سے باہر بیرونی اشیاء میں نہیں پائی جاتی،

صلابت، امتداد، شکل اور حرکت پذیری صفاتِ اوّلیہ ہیں، جو کسی حالت میں جسم سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں، جسم میں کوئی تبدیلی ہو یہ بدستور قائم رہتی ہیں، باقی رنگ، بو، آواز، مزہ وغیرہ صفات

ثانویہ ہیں، جو اجسام کی ذات میں داخل نہیں، بلکہ اجسام میں محض اس کی قابلیت ہے، کہ وہ اپنے ذاتی یا اولی صفات کے عمل سے ہم میں اس قسم کے ثانوی احساسات یا تصورات پیدا کر دیتے ہیں، جن کا خود ان احساسات کے مماثل خارج از ذہن یا بلا احساس کوئی وجود نہیں ہوتا، چنانچہ اگر آلاتِ حس، ان کے احساسات، یا احساس کرنے والا اگر نہ رہے یعنی اگر دیکھنے والی آنکھ، سننے والے کان، سونگھنے والی ناک، چکھنے والی زبان نہ رہے، تو رنگ، روشنی، بو، مزہ وغیرہ کا خود خارجی اشیاء میں کوئی وجود ہی نہ ہوگا،

صفاتِ اولیہ میں سب سے اہم صلابت کا تصور ہے، جو مزاحمت یا لمس کی حس سے حاصل ہوتا ہے، اور جسم کے ساتھ تمام تصورات بسیط میں سب سے اساسی تعلق رکھتا ہے، لیکن صلابت سے مراد سختی نہیں، بلکہ جسم کا مکان کو اس طرح بھر لینا (شاغل ہونا) کہ پھر کسی دوسرے جسم کی اس میں قطعاً سمائی نہ ہو سکے، بخلاف اس کے سخت اس جسم کو کہتے ہیں، جو اپنی صورت آسانی سے نہ بدلے،

مادہ کے تصور کی بنیاد صلابت ہی کی صفت ہے، نہ کہ امتداد کی، جیسا کہ ڈیکارٹ کا خیال تھا، نہ امتداد اور مادہ ایک شے ہیں، اسی طرح لاک کے نزدیک جسم و مکان بھی دو جداگانہ چیزیں ہیں، مکان کا بلا جسم کے تصور ہو سکتا ہے، لیکن جسم کا بلا مکان کے نہیں ہو سکتا، ڈیکارٹ نے جسم، مادہ اور مکان سب میں پھیلاؤ کو مشترک پا کر سب کی ایک ہی حقیقت یعنی امتداد قرار دیدی تھی،

———— • ————

لاک کے نزدیک مادہ کی حقیقت در اصل مجموعۂ اعراض سے زیادہ نہیں، جس کا تصور خاص خاص اعراض یا صفات کے محض یکجائی تجربہ سے حاصل ہوتا ہے، باقی اگر صفات و اعراض کے اس یکجائی تجربہ

کے علاوہ کسی چیز کو ہم مادہ یا جوہر کہتے ہیں، تو وہ صرف ایک اسم بے مسمّیٰ ہے،

بعض بسیط تصورات ہمیشہ ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں جن کے متعلق فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ کسی شے واحد کے ساتھ قائم ہیں،...... اور ایک نام رکھ لیا جاتا ہے جس کو ہم بے احتیاطی سے بعد میں ایک ہی بسیط تصور کہنے اور سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ در اصل یہ چند ایسے تصورات سے مرکب ہوتا ہے، جو مجموعاً یکجا پائے جاتے ہیں، جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، چونکہ ہمارے خیال میں یہ بات نہیں آتی، کہ بسیط تصورات بذاتِ خود کیسے قائم ہو سکتے ہیں، لہٰذا ایک ایسا محل فرض کر لیتے ہیں، جس میں حال ہو کر یہ پائے جاتے، اور جس سے پیدا ہوتے ہیں، اسی محل کو ہم جوہر کہتے ہیں،

لیکن اگر کوئی شخص جوہر کے اس تجریدی و کلی تصور کی جانچ کرے، تو معلوم ہوگا کہ اس کے پاس ایسے صفات کے محض ایک مفروض و نامعلوم سہارے (یا محل) کے تصور کے سوا کچھ نہیں، جو ہمارے اندر ان بسیط تصورات کو پیدا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں، جن کو عام طور سے "اعراض" کہا جاتا ہے، اگر کسی سے سوال کیا جائے کہ وہ شے کیا ہے، جس میں رنگ یا وزن پایا جاتا ہے، تو وہ اس کے سوا کچھ نہ بتا سکے گا، کہ ٹھوس ممتد اجزاء، اور اگر پھر مطالبہ کیا جائے، کہ یہ ٹھوس پن (صلابت) اور امتداد کس چیز میں پائے جاتے ہیں، تو اس کی حالت اُس ہندوستانی سے بہتر نہ ہوگی، جس نے کہا تھا کہ دنیا ایک بڑے ہاتھی پر ٹھہری ہے، جب پوچھا گیا کہ ہاتھی کس چیز پر کھڑا ہے؟ تو کہا، ایک بڑے کچھوے پر، پھر پوچھا گیا، کہ اور یہ بڑا کچھوا؟ تو کہا، کسی اور چیز پر جس کو میں نہیں جانتا،

یہی حال نفس کے افعال، فکر، استدلال، خوف وغیرہ کا ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ بذاتِ خود

قائم ہوسکتے ہیں، نہ جسم سے وابستہ، اور پیدا ہوسکتے ہیں، اسلئے لازماً ان کو بھی کسی اُ
جوہر کے فعل خیال کرلیا جاتا ہے، جسکو روح کہتے ہیں[1]۔

اسی طرح لاک کے نزدیک کسی شے کے مجموعی اعراض وصفات کے علاوہ جن کا معمولاً ہر شخص
کو مشاہدہ وتجربہ ہوتا ہے، ان کے قیام وبقا کیلئے کسی اور جوہری وجود، ہیولیٰ، مادہ یا روح کا فرض
خالی فرض ہی ہے، کوئی واقعہ وحقیقت نہیں،

اضافات وعلائق کے مرکب تصورات میں سب سے اہم اور ہمہ گیر، علاقہ علت ومعلول (تعلیل)
ہے، جو ذرات سے لیکر سماوات تک تمام موجودات پر حاوی خیال کیا جاتا ہے، اس کا تصور اس طرح
حاصل ہوتا ہے، کہ ہم کو اشیار میں آغاز اور تغیرات کا تجربہ ہوتا ہے، اور ان کے ایک دوسرے پر
منحصر وموقوف ہونے کا یہی تجربہ علاقہ تعلیل کی اصل بنیاد ہے،

"ہمارے حواس کو اشیار میں جو ہمہ وقت تغیرات نظر آتے رہتے ہیں، ان سے لازماً خاص
خاص صفات وجواہر کے آغاز وجود کا علم ہوتا ہے، اور ان کا یہ وجود بعض دیگر موجودات کے
خاص عمل واستعمال کے تابع ہوتا ہے، اسی مشاہدہ سے ہم علت ومعلول کے تصورات
حاصل کرتے ہیں، جو چیز کوئی بسیط یا مرکب تصور پیدا کرتی ہے، اسکو ہم "علت" کا عام نام
دیدیتے ہیں، اور جو پیدا ہوتی ہے، اسکو معلول کا، مثلاً وہ جوہر جس کو ہم موم کہتے ہیں،
اس میں دیکھتے ہیں، کہ بہاؤ یا سیالیت (جو ایک بسیط تصور ہے) پہلے موجود نہ تھی،
لیکن بعد کو ایک خاص درجہ کی گرمی پہونچانے سے پیدا ہوگئی، تو گرمی کے بسیط تصور
کو موم کی اس سیالیت کے تعلق کے ساتھ "علت" کہتے ہیں، اور سیالیت کو "معلول"[2]
علت کی اس بحث نے آگے چل کر ہیوم اور کانٹ کے فلسفہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کی

[1] سفر دوم باب ۲۳، [2] ایضاً باب ۲۶

ایک اور تصور جس نے فلسفہ کی خدا جانے کتنی بحثوں کو چیتاں بنادیا، اور جس پر فلاسفہ نے خدا جانے
کتنے دفتر سیاہ کرڈالے ہیں، وہ کلیات کا تصور ہے، چونکہ ہمارے تجربات خواہ حسی ہوں یا باطنی
سب کے سب جزئی ہوتے اور ہوسکتے ہیں، اسلئے کلی تصورات کی ان سے اخذ وحصول کی کوئی صورت
ہی نہیں معلوم ہوتی، لاک کو بھی تسلیم ہے کہ

تمام چیزیں جو پائی جاتی ہیں، وہ تو جزئی ہی ہوتی ہیں، پھر کلی الفاظ ہم کہاں سے لاتے
یا اُن کلی اشیار کو کہاں سے پاتے ہیں، جس پر یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں، ؟ الفاظ تو اس
طرح کلی بنجاتے ہیں، کہ وہ کلی تصورات کی علامت بنادیئے جاتے ہیں، اور تصورات
اس طرح کلی ہوجاتے ہیں، کہ ان سے زمان ومکان وغیرہ کے وہ خاص حالات جدا
کرلئے جاتے ہیں، جوان کو اِس یا اُس جزئی وجود کے ساتھ مخصوص کردیتے ہیں،
اس عمل تجرید کے ذریعے وہ ایک سے زائد افراد کی نمایندگی کے قابل ہوجاتے ہیں[1]

بچے کو ماں یا انّا کا جو تصور ہوتا ہے، جزئی ہی ہوتا ہے، لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی، اور تجربہ
وسیع ہوتا جاتا ہے، اس کو ماں اور انّا جیسی صورتوں کے اور بھی تجربات ہوتے جاتے ہیں، اس طرح
وہ ان جزئی تجربات کے ایسے مشترک صفات یا اجزار کا ایک تصور قائم کرلیتا ہے، جس کے لئے انسان
کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ذہن کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا، بلکہ زید عمرو بکر، کے مخصوص عوارض واحوال
سے قطع نظر کرکے محض مشترک خصوصیات کے ملحوظ رکھنے کا نام ہی کلی تصور ہے، اور اظہار خیال یا تعبیر
میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ایسے تصورات کے خاص خاص مجموعوں کو عام نام دیدئے جاتے
ہیں، انہی کو اعلام یا اسمائے معرفہ کے مقابلہ میں اسمائے نکرہ کہا جاتا ہے، جن کی ہر زبان میں اتنی
کثیر تعداد ہوتی ہے، اور جن کا استعمال اتنا ناگزیر ہوتا ہے، کہ آدمی کو دھوکا ہونے لگتا ہے، کہ زید عمرو

[1] سفر سوم باب ۳،

بکر کی طرح لفظ انسان کا بھی کوئی نہ کوئی واقعی مصداق ہونا چاہئے، جو اگر خارج میں نہیں موجود تو لازماً آدمی اس کو اپنی پیدایش کے ساتھ ذہن میں لیکر آتا ہے، حتی کہ افلاطون جیسے فلسفی کی نگاہ بھی اس سے ایسا دھوکا کھاتی ہے، کہ وجود کلیات کیلئے ایک الگ نیا عالم ہی فرض کرلیتی ہے۔

• اب خود لاک کی زبان سے ذرا سن لو، کہ کلیات سازی کا یہ عمل بچوں میں کیسے ترقی کرتا ہے جب ان کے ذہن میں:-

• "ماں اور انّا کے تصورات اچھی طرح جم جاتے ہیں، اور یہ تصورات صرف ماں اور انّا کی اسی طرح نمایندگی کرتے ہیں، جس طرح ان کی تصویریں صرف ان ہی کی نمایندہ ہوتی ہیں، جو نام بچے ان کو دیتے ہیں، وہ بھی ابتداءً ان ہی افراد یا جزئیات تک محدود ہوتے ہیں، اور انا یا ماں کے جو نام بچہ استعمال کرتا ہے، وہ بھی خاص اسی کی انّا اور ماں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، بعد کو جب امتداد زمانہ اور وسعتِ تجربہ سے بچوں کو معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا میں اور بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں، جو شکل و صورت وغیرہ کی خصوصیات میں ماں، باپ (یا جن اشخاص سے وہ مانوس ہیں) سے مشابہ ہیں، تو پھر وہ ایک ایسا تصور قائم کرتے ہیں، جو ان سب میں ان کو مشترک معلوم ہوتا ہے، اور دوسروں کی طرح اسکو آدمی کا نام دیتے ہیں، اور اس طرح بچوں کو کلی نام اور کلی تصور حاصل ہوجاتا ہے، جس میں وہ کوئی نئی بات نہیں کرتے، بلکہ زید، عمرو، بکر، وغیرہ کے مرکب تصور میں سے ان چیزوں کو خارج کردیتے ہیں، جو ان میں سے اپنی اپنی جگہ ایک ایک کے ساتھ مخصوص نہیں اور صرف ایسی چیزوں کو لے لیتے ہیں، جو سب میں مشترک ہیں[۱]"

(باقی)

---

[۱] سفر دوم باب ۳،

فتوح السلاطین

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ایم اے،

یہ آٹھوین صدی ہجری کی ایک منظوم تصنیف ہے، جس میں محمود غزنوی سے لیکر محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کو ڈاکٹر آغا مہدی حسین (آگرہ کالج آگرہ) نے گذشتہ سال اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، ان سے پہلے جناب سید محمد یوشع صاحب لکچرار مدراس یونیورسٹی نے اس کو اڈٹ کرنے کی کوشش کی تھی، اور "عصامی نامہ" کے نام سے ایک مثنوی لکھ کر کتاب مذکور اور اس کے مصنف پر روشنی ڈالی تھی، اور اس کے دیباچہ مین اعلان کیا تھا، کہ یہ کتاب بہت جلد مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوگی، مگر ڈاکٹر آغا مہدی حسین کی سعی مشکور سے ان کا نسخہ پہلے چھپ کر دلدادگانِ تاریخ وادب کے ہاتھوں میں پہونچ گیا،

فتوح السلاطین کے مصنف کا نام زیر نظر مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر صرف مولینا عصامی لکھا ہے، انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار نے قیاس کیا ہے کہ پورا نام عبد الملک عصامی ہوگا، عصامی کا ذکر معاصر یا بعد کے تذکروں میں کہیں نہیں آتا ہے، وہ شاعر تھا اور مورخ بھی، لیکن اس کا نام شاعروں اور مورخوں کی کسی فہرست میں نظر نہیں آتا ہے، انڈیا آفس لائبریری کے فہرست نگار کا بیان ہے، کہ خزینہ گنج الٰہی مین جو نویں اور دسوین صدی ہجری کے شاعروں کا ایک تذکرہ تھا، عصامی

کا ذکر آیا تھا، لیکن یہ تذکرہ مفقود ہے، نظام الدین احمد بخشی مؤلف تاریخ اکبر شاہی اور محمد قاسم صاحب تاریخ فرشتہ نے بھی اپنی کتابوں کے ماخذ کے سلسلہ میں فتوح السلاطین کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اس کا ذکر کہیں اور نظر سے نہیں گذرا،

عصامی نے اپنی کتاب میں خود اپنے مختصر حالات لکھے ہیں، جن سے اس کے مختصر سوانح مرتب کئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر آغا مہدی حسین اور سید محمد یوشع صاحب نے کیا ہے،

عصامی اپنے اسلاف میں سے ایک کو بغداد کا وزیر بتاتا ہے،

شنیدم وزیرے بہ بغداد بود محیطِ کرم معدنِ داد بود

بدستش ہمہ حل وعقدِ دیار سپردہ سلاطینِ آن روزگار

دران ملک قرنے وزارت براند جہانے فخر ملک عصامیش خواند

بدار ممالک بداز ہوش ورائے ضمیرش بہر باب مشکل کشائے،

کسے کو بگیتے دران ملک شاہ وزیرش بگردے دران تختگاہ

بے رائے او ہیچ رائے زدے نہ بے علم او دست وپائے زدے

"وزیرے بہ بغداد" سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عباسی فرمانرواؤں کا وزیر تھا، یوشع صاحب بھی اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "وہ متاخرین خلفائے عباسیہ کے دربار میں وزیر تھا، ڈاکٹر آغا مہدی حسین کو بھی یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں، مگر خلفائے عباسیہ کے وزراء کی فہرست میں فخر الملک عصامی نام کا کوئی وزیر ہمکو نظر نہیں آتا، مندرجۂ ذیل دو اشعار سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ وزیر اعظم تھا،

کسے کہ بگشتے در آن ملک شاہ وزیرش بگردے دران تختگاہ

نہ بے رائے او ہیچ رائے زدے نہ بے علم او دست وپائے زدی

اور جیسا کہ اوپر کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ایک "قرن" [۱] تک اس عہدہ پر مامور رہا،

[۱] معلوم نہیں قرن سے عصامی کی کیا مراد ہے، ۱۲، ۲۰ یا ۳۰ سال، ہم احتیاطاً ۱۲ سال مراد لیتے ہیں،

وہ ہندوستان یا تو ۶۳۱ھ یا ۶۳۱ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان میں آیا، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ۶۱۹-۲۱ھ سے ۶۳۰-۳۲ھ تک وزارت کے فرائض انجام دیتا رہا، یہ زمانہ ناصر لدین اللہ (المتوفی ۶۲۲ھ) ظاہر بامر اللہ (المتوفی ۶۲۳ھ) اور مستنصر باللہ (المتوفی ۶۴۰ھ) کا ہے، جن کے وزراء علی الترتیب مؤید الدین [۱] محمد بن محمد بن عبد الکریم قمی اور نصیر الدین بن ابی الازہر احمد بن محمد بن ناقد تھے، پھر تعجب ہے کہ عصامی نے فخر الملک عصامی کو "وزیرے بہ بغداد بود" کیسے لکھ دیا "شنیدم" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ جو کچھ لکھ رہا تھا، اس پر خود اس کو یقین نہ تھا،

عصامی کا بیان ہے کہ جب فخر الملک عصامی ہندوستان آیا، تو شمس الدین التمش نے اسکا پرجوش استقبال کیا،

چو نزدیک دہلی در آمد وزیر شنید این خبر شاہ روشن ضمیر

کہ آمد ز بغداد یک مرد کار کہ بود دست دستوراں خوش دیار

شنیدم ز دہلی خرامید تفت بتعظیم او چند فرسخ برفت

وزیرے گزین ہم در پہنائے راہ بصد خرمی گرد پابوس شاہ

بسے پیشکش پیش خسرو کشید پذیرفت از و شاہ اختر سعید

وزان پس بصد لطف بنواختش ہماں روز دستور خود ساختش

دگر روز فرخندہ دستور شاہ خرامان رسیدند در تخت گاہ

بسے سال آن شاہ روشن ضمیر ہمی راند ملکے بہ رائے وزیر

ہم آخر برآئیں کار آگہان بپرد ند رختے ز دار جہان

بکرسی پنجم مرا بالیقیں یکے آمدے آن وزیر گزین

[۱] ناصر الدین اللہ (۵۷۵ھ یا ۶۲۲ھ) کے تمام وزراء کے نام یہ ہیں، ابو القاسم نصر بن عطار، جلال الدین ابو المظفر عبید اللہ، معز الدین، سعید بن علی، مؤید الدین، ابی المظفر، محمد بن احمد، نصیر الدین، ناصر بن مہدی، مؤید الدین قمی،

شمس الدین التمش کا معاصر مورخ طبقات ناصری کا مصنف ہے، مگر اس نے سلطان التمش
کے قضاۃ، ملوک اور وزرا کی جو فہرست دی ہے اس میں فخر الملک عصامی کا نام نہیں، ہی التمش
کی حکومت کی تفصیل کے لئے طبقات ناصری کے بعد تاریخ مبارک شاہی (۸۳۸ھ) ہی مستند
سمجھی جاتی ہے، مگر اس میں بھی فخر الملک عصامی کا ذکر نہیں، بعد کے مورخوں میں نظام الدین احمد
بخشی اور فرشتہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کیا ہے، نظام الدین احمد کی عبارت یہ ہے؛

"در آخر عمر فخر الملک عصامی وزیر بغداد کہ سی سال در بغداد بمنصب وزارت اشتغال
داشت، و بفضائل و کمالات صوری و معنوی مشہور و مذکور بود، بہ سببے از اسباب
دنیوی کہ مایہ رنجش و ملال خاطر ارباب دولت می باشد، جلائے وطن شدہ بدہلی آمد،
سلطان مقدم او را گرامی داشتہ باعزاز و اکرام تمام بشہر در آورد، و منصب وزارت داد
مراحم خسروانہ در حق او بظہور آورد" [1]

فرشتہ کی عبارت بجنسہ یہی ہے، نظام الدین احمد کا ماخذ منجملہ اور کتابوں کے فتوح السلاطین
ہے، اسلئے گمان ہوتا ہے، کہ اس نے تحقیق کئے بغیر یہ معلومات اس سے لے لئے ہیں، ورنہ ظاہر ہے
کہ جس وزیر نے تیس سال تک بغداد میں وزارت کی ہو، اس کا ذکر عباسیوں کی تاریخ میں ضرور آنا
چاہئے مگر اس عہد کی کسی تاریخ میں اس کا نام تک نہیں آیا ہے، اسلئے فخر الملک عصامی کا نہ صرف
عباسیوں کا بلکہ شمس الدین التمش کا بھی وزیر ہونا مشکوک ہے،

عصامی کا بیان ہے، کہ فخر الملک کا ایک بیٹا ناصر الدین محمود بن التمش کے زمانہ میں وکیل در
یعنی شاہی محلات کا کلید بردار تھا، اس عہدہ پر اس زمانہ میں معزز امرا فائز ہوتے تھے، ناصر الدین
محمود کی سلطنت کے حال میں ہے،

[1] طبقات اکبری جلد اول

دگر آن ظہیر ممالک کہ شاہ   وکیل درش کرد بے گاہ و گاہ
یکے بود روشن دل و نیک نام   چراغے ہم از دودۂ بو عصام
ہم از فخر ملک عصامی بہند   بدادہ ہمان گوہر دل پسند

اس کا بیٹا عز الدین بلبن کی حکومت کا معزز عہدیدار تھا،

لقب عز دیں داشت آن نیک مرد   ہمہ عمر از و کس شکایت نکرد
مرا ورا پدر بود صدر الکرام   کز و تازہ شد گلشن بو عصام
ظہیر ممالک یل نام جو   وکیل در شاہ فرزانہ بود

ان اشعار سے اندازہ ہوگا، کہ فخر الملک کے لڑکے کے دو القاب صدر الکرام اور ظہیر
ممالک تھے، اور اس کے پوتے کا لقب عز الدین تھا، مگر تعجب ہے کہ صدر الکرام اور ظہیر ممالک
کا ذکر طبقات ناصری میں نہیں، حالانکہ اس میں ناصر الدین محمود کے امراء کی ایک طویل فہرست ہے،
اور نہ عز الدین کا نام بلبنی امراء کی اس فہرست میں ہے، جو ضیاء الدین نے اپنی تاریخ فیروز
شاہی میں دی ہے،

عز الدین فتوح السلاطین کے مصنف کا دادا تھا، جب محمد تغلق نے دہلی کے باشندوں
کو دیوگیر جانے کا حکم دیا، تو عز الدین بھی روانہ ہوا، اس وقت اس کی عمر نوّے سال کی تھی
لیکن وہ دیوگیر پہنچ نہ سکا اور راستہ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا، عصامی دیوگیر پہونچا، اور وہاں
وہ چالیس سال تک رہا، اس مدت میں جیسا کہ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، وہ تصنیف
و تالیف میں مشغول رہا، مگر اس کے علم و فضل کی قدردانی نہیں ہوئی، اور اس کی ساری علمی
کاوشیں تلف ہوگئیں،

دلم گفت کائے مرد صاحب ہنر   جہانے ز گفتار تو بہرہ ور

نخست آنچہ گفتی تو از یاد رفت — سواد و دیوانت بر باد رفت

مگر آخر میں دولت آباد کے قاضی بہاء الدین کے کرم و التفات سے اس کے جوہر فضل و کمال کی جلا ہوئی، قاضی بہاؤ الدین نے جس کو علاؤ الدین بہمنی کی طرف حاجب قصہ کا لقب ملا تھا، عصامی کو اپنے یہاں طلب کیا، اور اُس کا کلام سُنا جس سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ

بگفتا چنیں بلبلے خوش نوا — بگلزار فردوس باشد سزا

چنیں مرغ حیف است دریں بوستان — چنیں طوطی حبس ہندوستان

سزائے چنیں بلبلے لالہ زار — نباشد مگر مجلسے شہریار

پھر عصامی کو وہ سلطان علاؤ الدین بہمنی کے دربار میں لے گیا، جس کے حکم سے اس نے ہندوستان کی منظوم تاریخ لکھنی شروع کی، جو اس وقت زیر نظر ہے، اس میں قریب بارہ ہزار اشعار ہیں، ذہین اور طباع عصامی نے ان کو صرف پانچ مہینے اور نو دن کی مدت میں ختم کیا،

بنہ روز و شش ساعت و پنج ماہ — شروع نمودم بے گاہ و گاہ

شب و روز خون دل خویشتن — ہمہ آب کردم پئے این چمن،

کتاب کی تالیف کی تاریخ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے،

ز ہفصد فزون راست پنجاہ بود — کہ طبعم بہ گفتن شروعش نمود،

شد آغاز در بیست و ہفت صیام — ربیع نخستیں ششم شد تمام

اس اہم علمی کارنامے کے بعد عصامی بہمنی دربار کی زرپاشیوں سے فیضیاب ہونے کیلئے ہندوستان میں نہیں ٹھہرا، بلکہ دولت اُخروی جمع کرنے مکہ معظمہ چلا گیا، اور شاید یہیں واصل بحق ہوا،

فتوح السلاطین پر تاریخی نظر

فتوح السلاطین امیر سبکتگین سے لے کر محمد بن تغلق تک کی منظوم تاریخ ہے، شاعر نے اپنے ماخذ کا ذکر اس طرح کیا ہے،

حدیثے کہ بشنیدم از باستان — کشیدم بہ نظمش دریں داستان

دگر آنچہ اندر کتب یافتم — سراز درج آن نیز کم تافتم

پراگندہ بس در قیمت گران — کشیدم دریں سلک چون ناقدان

بہ تحقیق افسانہائے کہن — بُردم بسے رنج در ہر سخن

حکایات شاہان ہندوستان — طلب کردم از باخرد دوستان

ہمہ با تواریخ کردم رجوع — چو دیدم موافق اصول و فروع

کشیدم دریں سلک ہر یک گوہر — بجائے کہ دیدم سزاوار تر

دگر گوہرے ازان گہرہای ناب — چو دیگر گہرہا ندیدم خوش آب

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تلاش و جستجو اور محنت و مشقت سے عصامی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ہمارے موجودہ تاریخی لٹریچر میں کیا اضافہ کرتا ہے، اور معاصر تاریخوں کے مقابلہ میں اسکے بیانات اور معلومات کہاں تک مفید ہیں،

فتوح السلاطین کے تاریخی واقعات کا آغاز محمود غزنوی کی پیدائش سے ہوتا ہے، عصامی نے لکھا ہے، کہ ۳۶۱ھ میں محمود کے باپ سبکتگین نے ایک رات خواب میں دیکھا، کہ اس کے محل میں آتشدان کے اندر سے ایک درخت نکلا، اور اتنا بلند ہوا کہ تمام دنیا اس کے سایہ میں آگئی، اسی رات کو اس کو خوشخبری ملی کہ اسکے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے، صبح کو لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھی، تو ایک صاحب خرد نے عرض کیا، کہ بچہ جوان ہو کر اہل دنیا کے لئے عیش کا دروازہ کھول دیگا، ہفت اقلیم تسخیر کرے گا، اسکی فوج سندھ سے گذر کر

ہندوستان فتح کرے گا، وہ سومنات کے بتخانہ کو منہدم کرنے میں کامیاب ہوگا، فرا[ش]
کو کفار کے خون سے رنگین کر دے گا، الپتگین نے خوش ہو کر بچہ کا نام محمود اور کنیت ابوالقاسم
رکھی، عصامی نے یہ واقعہ "پیران بیدار مغز" سے سن کر لکھا ہے، جہاں تک خواب کا تعلق ہے اسکا
ذکر طبقات ناصری میں بھی ہے، مگر اسکی تعبیر عصامی کی محض شاعرانہ اختراع ہے، جو آیندہ کے
واقعات پر محمول کر لیگئی ہے،

ایک جگہ ہے، :-

چو بگذشت از سال او بیست چار	ز ہر فن بسیار استش کردگار
بہر جا کہ مشکل ازو گشت حل	خطابش پدر کرد سیف الدول

مگر طبقات ناصری میں ہے کہ یہ خطاب محمود کو امیر نوح سامانی نے بو علی سیمجوری خراسانی
سے جنگ کرنے کے صلہ میں عطا کیا تھا،

محمود کی تخت نشینی کے بعد عصامی لکھتا ہے، :-

شنیدم ہماں سال آن شیر مرد ۳۸۹	سوے ہند آہنگ کفار کرد
بیکبار در آمد بہ ہندوستان	شدش کار بر کامۂ دوستان
بیک حملہ افواج ہندو شکست	فتادش ہمان راے جیپال دست
مرا او را قفاے غزنیں ببرد	بدلال بازار بردہ سپرد،
شنیدم بفرمان فرماں روا	بہشتاد دینار جیپال را،
مقیمان بازار بفروختند،	بہایش بخازن در اندوختند
ز سعد فزون شد چوں ہشتاد و ہفت	شہنشاہ در کشور بلخ رفت
چو افتادش آن شہر و کشور بدست	در آن تختگہ یک دو سالے نشست

مرا امیر بمالید ملک ہرات	وزان پس سپہ راند در گوجرات

عصامی نے ۳۸۷ھ سے ۴۱۶ھ تک کے واقعات کو اس طرح لکھا ہے، کہ سرسری مطالعہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات ۳۸۸ھ ہی میں ہوئے، پھر معلوم نہیں عصامی نے یہ کہاں سے
گھڑ لیا، کہ محمود جے پال کو غزنیں لے گیا، طبقات ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ
من یزید (خراسان) بھیجدیا گیا، عنصری کا بیان ہے کہ وہ میرند بھیجا گیا، عتبی نے اپنی تاریخ یمینی
اور گردیزی نے اپنی زین الاخبار میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ وہ جے پال کے فروخت ہونیکا
حال لکھتے ہیں، البتہ طبقات ناصری میں اسکے بکنے کا ذکر ہے،

سومنات کے حملہ کے ذکر میں عصامی نے ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے، کہ محمود جب دس سال
کا تھا، تو ہندوستان کے موبدوں کے مشورے کے مطابق جے پال نے اسکے پاس تحائف بھیجے،
اور اس سے وعدہ لیا، کہ گجرات کو تاراج کرنے کی صورت میں سومنات کا بُت اسکے حوالہ کردیگا
جب محمود نے سومنات کو فتح کیا، تو اس کو ایفاے وعدہ کا خیال آیا، مگر وہ ایک کشمکش میں
مبتلا ہو گیا،

بدل گفت آن خسرو تیز ہوش	کہ گر بت دہم شان شوم بت فروش
بفردا کہ مستان جام ہلاک	برآرند سر باز بالین خاک
من از بت فروشی شوم عام و فاش	ز بت ساختن آزر بت تراش
وگر نہ دہم آن بت مرا خاص و عام	بخوانند محمود بد عہد نام،

محمود کے ذہن میں ایک ترکیب سوجھی، اس نے بت کو جلا دینے کا حکم دیا، اور جب ہندو
بت لینے کے لئے اس کے پاس آئے، تو اس نے جلے ہوئے بت کے چونے کو پان میں دیکر
پیش کیا، اور اس طرح بت دینے کا وعدہ پورا کر دیا، اس حکایت کے شروع میں عصامی

نے لکھا ہے،

حکایت شنیدم بنقلے صحیح ۔ ازاں راویان امین و فصیح،

مگر اس کو فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں دیجا سکتی ہے، اسی واقعہ کو فریدالدین عطار نے منطق الطیر میں اسطرح لکھا ہے،

یافتند آن بت کہ نامش بود لات ۔ لشکر محمود اندر سومنات
ہندوان از بہر بت بر خواستند ۔ در رہش ہم سنگ زرمی خواستند
ہیچ گونہ شاہ می نفروختش ۔ آتشے برگرد و حالی سوختش
ہر کسے گفتش نمی باید سوخت ۔ زر ز بت بہتر باید فروخت
گفت ترسیدم کہ تا روز شمار ۔ بر سر این جمع گوید کردگار،
آذر و محمود را دارید گوش ۔ آں یکے شد بت تراش ایں بت فروش

بعد کے مورخون نے شاید فریدالدین عطار ہی کے بیان کو صحیح سمجھکر اس واقعہ میں رنگ آمیزی کی ہے، فرشتہ رقمطراز ہے کہ ہندوؤں نے جب محمود کو سومنات کے بت کی قیمت دینی چاہی تو اس نے کہا کہ

"اگر این کار بکنم مرا محمود بت فروش خواہند گفت و اگر بشکنم محمود بت شکن، خوشتر آنکہ در دنیا و آخرت مرا محمود بت شکن خوانند"

مگر معاصر ارباب تصنیف میں گردیزی، البیرونی، ابوالفدار، اور حتی کہ شاعر فرخی نے بھی اپنے طویل قصیدہ "سفر سومنات" میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے،

مذکورۂ بالا واقعہ کے فوراً ہی بعد عصامی نے ایک دوسری حکایت شروع کر دی ہے کہ ایک برہمن نے ایک پتھر کو زمین میں دفن کر دیا، اور ایک گائے کے بچہ کو روز اسی جگہ

کھانے کو دیا کرتا تھا، ایک روز تمام لوگون کو جمع کرکے اس نے اعلان کیا، کہ تائید غیبی سے ایک گائے کا بچہ ان کو ایک مندر تعمیر کرنے کی بشارت دیگا، صبح کو گائے کا بچہ گھر سے نکلا، لوگ اس کے پیچھے چلے، حسب معمول گائے کے بچہ نے اس زمین کو سونگھا، جہاں وہ دانا چرا کرتا تھا، لوگ اس زمین کو کھودنے لگے، اسکے نیچے سے ایک پتھر نکلا، اور وہیں پر انھون نے سومنات بنایا، محمود ہندوستان آیا، تو بتخانہ کو مسمار کرکے اسکے بت کے چار ٹکڑے کئے، جن میں سے دو غزنی اور دو مکہ اور مدینہ بھجوا دیئے، عصامی نے محمود غزنوی سے متعلق اس قسم کے اور بھی واقعات لکھے ہیں، جو محض دلچسپی کی خاطر قصوں اور کہانیوں کی طرح پڑھنے کے لئے ہیں، فرشتہ نے محمود غزنوی کے بہت سے قصے لکھے ہیں، مگر عصامی کے کسی قصہ کو اپنی تاریخ میں جگہ نہیں دیا ہے،

عصامی نے ایک جگہ حسن میمندی کو محمود کا وزیر بتایا ہے، جو صحیح نہیں، محمود کے وزرار کے نام علی الترتیب ابوالعباس فضیل بن احمد ابوالقاسم احمد بن حسن المیمندی اور ابوعلی حسن ابن محمد بن عباس تھے، فرشتہ نے تو تصریح کے ساتھ لکھا ہے، کہ حسن میمندی محمود کا وزیر نہ تھا،

"آنکہ بین الناس شہرت دارد کہ حسن میمندی در سلک وزرائے سلطان محمود انتظام داشت، عین غلط و محض خطاست واحمد بن حسن چون بحسن خط وجودت فہم و فضل اتصاف داشت، در اوائل صاحب دیوان انشا و رسالت کردند، و جذبات التفات سلطانی اورا، از درجہ بدرجہ ترقی می داد تا بمنصب استیفائے ممالک رسیدہ شغل عرض عساکر ضمیمۂ امر مذکور گشت و بعد از چند گاہ ضبط اموال بلاد خراسان نیز باشغال سابقہ انضمام یافت ...... چوں مشرب سلطانی نسبت بہ ابوالعباس اسفرائنی سمت تکدر پذیرفت زمام امور وزارت من حیث الاستقلال در کف کفایت آن خواجہ ستودہ خصال قرار گرفت"

(ص ۳۸، نولکشور پریس)

محمود غزنوی کے جانشینوں کا حال عصامی نے طبقات ناصری کے مصنف ہی کی طرح مختصر لکھا ہے، معز الدین بن سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی فتوحات کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ ہے، لیکن پھر بھی ۵۶۹ھ سے ۵۸۰ھ تک کے بہت سے واقعات نظر انداز کر گئے ہیں، اور جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بہت ہی مختصر ہے البتہ رائے پتھورا اور غوری کی پہلی اور دوسری جنگ کو عصامی نے پورے رزمیہ انداز میں لکھا ہی، جس میں فردوسی کی جھلک آگئی ہی، پہلی جنگ کی شکست کے بعد غوری غزنین واپس گیا، اسکو عصامی لکھتا ہے،

در آمد بلاہور شرمنده وار — در آنجا بسے سد کرد استوار

شنیدم ہے یک دو آنجا بماند — پس آنگه بغزنیں ز لاہور راند

چو در غزنیں آمد شہِ شرزه زور — نوندی فرستاد در ملک غور

ہمان خسرو ترک را با پسر — کشانید از خشمِ آن نامور

مسافر شد آن خسرو خوشخصال — که در خسروی بد ده و چار سال

ہمو ختم اولادِ محمود بود — محیط کرم معدنِ جود بود

شد آن روز از گردش آسمان

ز اولادِ محمود خالی جہان،

صاحبِ طبقاتِ ناصری نے خسرو ملک کے قتل کا ذکر غوری اور پتھورا کی لڑائی سے پہلے کیا ہی، گو اس نے بھی اسی واقعہ کو دو جگہ اور دو سنہ لکھ کر اپنے بیان کو مشکوک کر دیا ہی، غوری پتھورا کی جنگ کے ذکر سے پہلے لکھتا ہے:-

"چوں در شہور سنہ سبع وثمانین وخمسمائہ عصیان وفتنہ سلطان شاہ خوارزمی ظاہر شد خسرو ملک و پسرش را شہید کردند" (ص ۱۱۹)

پھر خسرو شاہ کے مستقل بیان میں ہے،

"در شہور سنہ ثلث وثمانین (معز الدین محمد سام لشکر بلاہور آورد و لوہور فتح کرد و خسرو ملک را بہ عہد بیروں آورد و بطرف غزنیں فرستاد و از آن جا بحضرت فیروزکوہ کہ دار الملک سلطان بزرگ غیاث الدین محمد سام بود، روان کرد و غیاث الدین فرمان داد، تا خسرو ملک را بقلعہ بلروان از غرجستان محبوس کردند، وچوں حادثہ سلطان شاہ در خراسان ظاہر شد سلاطین غوری بدان ہم آوردند، سلطان خسرو ملک را شہید کردند، در شہور سنہ ثمان وتسعین وخمسمائیہ پسر او بہرام شاہ را کہ در قلعہ سیفرود غور محبوس بود، ہم شہید کردند وخاندان آل ناصر الدین سبکتگین مندرس گشت"،

غوری جب دوسری بار پتھورا کے خلاف فوج لیکر آیا، تو عصامی نے سرخی میں "جنبیدن سلطان معز الدین محمد ابن سام کرت سیوم در ہندوستان" لکھا ہے، حالانکہ اس وقت تک جیسا کہ عصامی کے بیان سے بھی ظاہر ہے، غوری کے پے در پے کئی حملے ہو چکے تھے، اس سے آگے چل کر سرخی ہے "مصاف کردنِ پتھورا وگوبند با سلطان معز الدین بار سیوم وکشتہ شدن ایشان" مگر عصامی اور دوسرے مورخوں نے صرف دو ہی لڑائیوں کا ذکر کیا ہے، معلوم نہیں "بار سیوم" سے عصامی کی مراد کیا ہے،؟

پتھورا کی جنگ کے بعد عصامی غوری کی بہت سی فتوحات کو نظر انداز کرتے ہوئے کالیور (گوالیار) پھر اہرن وارہ اور پھر قنوج کی مہم کا ذکر کرتا ہے، جو ترتیب کے لحاظ سے بالکل درست نہیں، حالانکہ ان میں بعض سنہ جو عصامی نے لکھے ہیں، وہ غلط نہیں ہیں، مگر قنوج کی مہم ۵۸۹ھ میں کالیور (۵۹۲ھ) سے پہلے ہوئی، اور اہرن وارہ (انہروالہ) ۵۹۳ھ میں ہوئی، عصامی کا بیان ہے، کہ انہروالہ کی مہم میں غوری بھی شریک تھا، مگر طبقات ناصری میں ہے کہ اسکو قطب الدین نے

غوری کی غیر موجودگی میں فتح کیا (ص۱۳۱ و ص۱۴۰)

کالیور کی تسخیر کے سلسلہ میں عصامی نے وہاں کے راجہ کی لڑکی کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ لکھا ہے، کالیور (گوالیار) کے محاصرہ میں جب تین چار مہینے گذر گئے، تو راجہ کی لڑکی ساٹھ ستر سہیلیوں کے ساتھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور

بتنظیم بوسید پاے پدر نہ تنہا کہ باگلرخان دگر،

بگفتند کاے راے اختر سعید چو امروز مار است روز وعید

بدہ انچہ ہر سال مرسوم ماست بکن انچہ رسم برد بوم ماست

رسم یہ تھی کہ ہر سال "رایان ہند"

خراجے دیارے بہ دختر دہند یکے تاج زریں بفرقش نہند

لیکن گوالیار کے راجہ نے یہ کہکر خراج دینے سے انکار کیا، کہ

چو در ملک من دیگرے ہست شاہ بعز ولی از من خراجے مخواہ

دگر خواہی از وے بخواہ ایں خراج کہ شد جمع بروے ہمہ ساو باج

راجہ کی لڑکی قلعہ سے اپنی سہیلیوں کو لے کر نکلی، ان کو دیکھکر غوریوں نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی، لڑکیاں شہاب الدین غوری کے پاس آئیں، راجہ کی لڑکی آگے بڑھی، سربسجود ہوئی اور بولی،

کہ از حد دریاے تا آب سند وعید یست امروز در ملک ہند

بامروز رایان ہندوستان بنوروز نشستند با دوستان

ببے گنج مردختران را دہند بسرہاے شان تاج زریں نہند

من امروز بر عادت بوم خویش طلب کردم از راے مرسوم خویش

چو معزول شد راے ما از دیار حوالہ مرا کرد بر شہریار،

غوری نے لڑکی کو اس کے باپ کا ملک اس شرط پر بخش دیا، کہ گوالیار کے قلعہ کے اندر کفار کے آئین و رسم مٹا کر ایک مسجد بنا دیجائے، جو لڑکی نے منظور کیا، مگر یہ قصہ محض افسانہ ہے، جس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں،

قطب الدین اور محمد غوری کے خوشگوار تعلقات کو ظاہر کرنے کے لئے عصامی نے ایک عجیب و غریب قصہ لکھا ہے، قطب الدین ایبک جب میرٹھ، دہلی، کتھیرہ (؟) فتح کر چکا، تو دو سال کے بعد اسکے سپاہیوں نے سرکشی کی، اور غوری کے پاس یہ مخبری کی، کہ ایبک غرور میں اپنے سے کسی کو بہتر نہیں سمجھتا ہے، بادشاہ نے بدگمان ہو کر بطور امتحان ایک قاصد کے معرفت اپنے یہاں بلا بھیجا، ایبک التمش کو دہلی میں چھوڑ کر ایک لشکر کے ساتھ غزنین روانہ ہو گیا، راستہ میں اہرن وارہ فتح کرتا ہوا غزنین پہونچا، غزنین سے باہر اپنی فوج کو چھوڑ کر تنہا شہر میں داخل ہوا، وہ پہلے بادشاہ کے وزیر کے گھر گیا، پھر وزیر کے ساتھ بادشاہ کے پاس آیا، اسکی اطاعت و نیازمندی سے بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ

ہمہ شب شہ و ایبک نامور، بگفتند احوال بایک دگر،

اس کے بعد عصامی لکھتا ہے،

چو شد روز گفت آن شہ نیک بخت بہ ایبک کہ گردد نہان زیر تخت

خود انگاہ ہم اول بامداد بر آن تخت با خرمی بار داد

طلب کرد آن قوم روباہ فن کہ گفتند در باب ایبک سخن

شنیدم چو آن زمرۂ نابکار رسیدند بیش شہ کامگار

بد ایشان بگفت آن شہ ہوشمند کہ اے زمرۂ نابکار و نژند

چہ گوئید در باب ایبک کنون — دہید از سر راستی خط بخون
کہ گر ایبک آید بر ایوان ما — نتابد سر از حکم و فرمان ما
بود خون ہر یک ہبا و ہدر — در آرید ہر یک درین شرط سر
چو آن قوم از شاہ روشن ضمیر — شنیدند دادند خط ناگزیر،
وزان پس بگفت آن شہ نیک بخت — کہ ایبک بروں آید از زیر تخت
بفرمان شہ ایبک آمد بروں — دعا و ثنا گفت شہ را فزوں
بصد غدر بنہاد سر بر زمیں — بدیدند اہل یسار و یمیں،

سلطان غوری قطب الدین ایبک کے بدخواہوں کو قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر ایبک کی وساطت سے ان کی جان بخشی کی گئی، دوسرے دن ایبک اپنی فوج لیکر غزنین میں داخل ہوا جہاں بادشاہ کے حکم سے بہت ہی تزک و احتشام کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا،

معلوم نہیں یہ قصہ عصامی کو کہاں سے معلوم ہوا، معاصر تاریخوں میں طبقات ناصری کے مصنف نے التتمش کے ذکر میں سرسری طور پر لکھا ہے، کہ

"سلطان قطب الدین از غزو نہرواله و فتح گجرات با ملک نصیر الدین حسین بغزنین رفت"

(صفحہ ۱۶۰)

البتہ تاج المآثر میں ہے، کہ سلطان غوری نے جب قطب الدین کی فتوحات کا حال سنا تو وہ اس کو دیکھنے کا مشتاق ہوا، اور غزنی بلایا، قطب الدین شاہی فرمان پاتے ہی غزنی روانہ ہوگیا، غزنی پہونچا، تو سلطان نے اسکی آمد میں جشن منایا، اور زر و جواہر، خلعت اسلحہ اور غلام عطا کرکے سرفراز کیا، مگر وہ فوراً بیمار پڑ گیا، جس سے وہ شاہی اعزاز و اکرام سے لطف اندوز نہ ہوسکا، جب اچھا ہوا، تو ہندوستان آیا، سلطان نے رخصت کرتے وقت ہندوستان

کی سلطنت اسکو عطا کی، (الیٹ جلد دوم ص ۲۲۰-۲۲۱) بعد کے مورخوں میں فرشتہ نے بھی یہی لکھا ہے، اور عصامی کے قصہ کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔

قطب الدین ایبک کا ذکر فتوح السلاطین میں بہت ہی تشنہ ہے، اسکی حکومت کے احوال میں سے صرف یلدز سے اس کی لڑائی، اور اوس کی موت کا ذکر کیا گیا ہے، شمس الدین التتمش کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، التتمش کا تلفظ کہیں التمتش، اور کہیں اتمش ہے،

التتمش کے بیان میں عصامی نے پہلے یلدوز کی جنگ کا حال لکھا ہے، اس کے بعد قباچہ سے لڑائی کا ذکر کرکے اس کے دریا میں ڈوب جانے کا واقعہ لکھدیا ہے، مگر طبقات ناصری میں ہے، کہ التتمش ۶۱۴ھ میں قباچہ سے دو لڑائیاں لڑا، اور ۶۲۵ھ میں وہ پھر اس سے برسرپیکار ہوا، اور اسی لڑائی میں قباچہ ڈوب کر مرا، عصامی نے التتمش اور قباچہ کی تینوں لڑائیوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کے بجائے ایک ہی لڑائی میں تمام لڑائیوں کے نتائج لکھدیئے ہیں، التتمش کی بعض فتوحات کے ذکر میں عصامی نے ترتیب قائم نہیں رکھی ہے، مثلاً کالیور کی فتح (۶۲۹ھ) کو وہ رنتھنبور کی (۶۲۳ھ) کی تسخیر سے پہلے لکھتا ہے، بعض واقعات مثلاً التتمش اور خوارزم شاہ کی جنگ (۶۱۵ھ) اور خلیفہ بغداد کی طرف سے خلعت کی آمد کو حذف کر دیا ہے، مگر بعض ایسی نئی باتیں بھی ہیں، جو طبقات ناصری میں نہیں ہیں، مثلاً التتمش کے دربار میں سماع کے متعلق قاضی حمید الدین سے جو بحث ہوئی، اس کا ذکر منہاج سراج نے نہیں کیا ہے، لیکن فرشتہ (جلد اول ص ۶۷) اور نظام الدین بخشی (ص ۶۳ جلد اول) نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس کا حوالہ دیا ہے، حمید الدین ناگوری سے جن علمائے ظاہر نے بحث کی تھی، ان کا نام عصامی نے قاضی سعد و قاضی عماد لکھا ہے، لیکن نظام الدین بخشی اور فرشتہ ملا جلال لکھتے ہیں،

اس زمانہ میں دہلی کی خوشحالی اور عروج کا ذکر عصامی نے بہت ہی والہانہ انداز میں کیا ہے،۔۱

به دہلی چنان تخت گاہے بساخت سپاہش در اقصاے آن ملک تاخت

دران شہر یکے رونقے شد پدید بلے لذتے باشد اندر جدید

بسے سیدان صحیح النسب رسیدند در وے ز ملک عرب

بسے کاسبان خراسان زمین بسے نقشبندان اقلیم چین

بسے عالمان بخارا نژاد بسے زاہد و عابد از ہر بلاد

ز ہر ملک ہر جنس صنعت گران ز ہر شہر ہر اصل سیمیں بران

بسے ناقدان جواہر شناس جواہر فروشان بروں از قیاس

حکیمان یونان طبیبان روم بسے اہل دانش ز ہر مرز و بوم

دراں شہر فرخندہ جمع آمدند چو پروانہ بر نور شمع آمدند

یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد دیارش ہمہ دار اسلیم شد

عصامی نے رضیہ کے ذکر میں بہت سی نازیبا باتیں لکھی ہیں، رضیہ نے جس تدبر و سیاست فہم و فراست سے حکمرانی کی، اور سرکش امراء کی بغاوت کو فرو کیا، ان کو اس نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے، اور اپنی شاعری کا سارا زور اس میں خرچ کیا ہے، کہ وہ حیا کو بالاے طاق رکھ پردہ سے باہر نکلتی تھی، قبا و کلاہ زیب تن کرتی تھی، ہاتھی اور گھوڑے پر سوار ہوتی تھی، اور اسکے رکاب میں مرد رہا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں لکھتا ہے،

شنیدم غلامے ز جنس حبش بدے در سواری بر مرکبش

گرفتے بیک دست بازوے او بداوے سواریش بے گفتگو

بدان مرد شاہ جہان را غلام شہش کردہ بودہ است یاقوت نام

امیر آخرش شاہ و شہزادہ بود بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

چو ارکان دولت در آن روزگار بدیدند گستاخیش آشکار

بردند غیرت ازان ماجرا بگفتند بایکدگر در جدا

کزین گونہ کیں دیو در ملک جم مسخر ترا مد ز جملہ خدم

عجب نے کہ گر دست یابد گہے پئے کفن خاتم بگیرد دہے

زنان جملہ در دام آہرمنند بخلوت ہمہ کار شیطان کنند

منہاج سراج جو رضیہ کے عہد کا چشم دید مورخ ہے، یاقوت کی مذکورۂ بالا جسارت کا ذکر مطلق نہیں کرتا ہے، حالانکہ اسکی تاریخ میں رضیہ کی بے پردگی اور شہسواری کا ذکر وضاحت سے موجود ہے، تاریخ مبارک شاہی میں بھی اسکی طرف کوئی اشارہ نہیں، مگر بعد کے مورخون نے شاید عصامی کی شاعرانہ اختراع ہی کو ماخذ بنا کر اس واقعہ میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہے،

عصامی کا بیان ہے، کہ رضیہ نے ملک لاطونہ سے عقد کرنے کے بعد سلطان معزالدین سے ۶۳۸ھ میں دو مرتبہ جنگ کی، اور آخری بار میدان جنگ سے فرار ہوئی، تو کیتھل میں ہندوون نے اسکو مع لاطونہ کے مار ڈالا، طبقات ناصری اور تاریخ مبارک شاہی میں ایک ہی لڑائی کا ذکر ہے، مگر فرشتہ اور نظام الدین بخشی عصامی کی طرح دو لڑائیون کا ذکر کرتے ہیں،

عصامی نے لکھا ہے، کہ رضیہ کے مقابلہ میں سلطان معزالدین نے دونوں مرتبہ بلبن کو بھیجا، بلبن سے مراد شاید ملک عزالدین بلبن کشلو خان ہے، لیکن منہاج سراج نے صاف لکھدیا ہے کہ

"در ماہ ربیع الاول سنہ ثمان وثلثین وستمائۃ سلطان معزالدین لشکر دہلی بدفع ایشان برد، و سلطان رضیہ والتونیہ منہزم شدند"

اس واضح تحریر کے بعد عصامی کا بیان قابل ترجیح نہیں ہو سکتا ہے،

"باقی"

تلخیص و تبصرہ

سرہند مین پٹھانون کے مقبرے

مندرجۂ بالا عنوان سے ڈاکٹر اچ۔گوئٹز (H. Goetz) کا ایک مقالہ جولائی ۳۹ء کے اسلامک کلچر حیدرآباد میں شائع ہوا ہے، اسکی تلخیص ذیل میں درج ہے،

سرہند ہندوستان کا ایک اہم تاریخی قصبہ ہے، فیروز شاہ نے اسکو ضلع کا صدر مقام بنایا تھا، بابر جب پانی پت کی جنگ کیلئے جارہا تھا، تو یہان ٹھہرا تھا، ہمایون نے اسی جگہ سکندر شاہ سور کو ۱۵۵۵ء مین شکست دیکر کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کی، بہادر شاہ اول کے زمانہ مین گورو گوبند سنگھ کی بیوی اور بچے یہیں تہ تیغ کئے گئے، مگر جب سکھوں کا اقتدار ہوا، تو اس قصبہ کو انھون نے انتقاماً لوٹ کر ویران کردیا،

اب وہان مغل سلاطین کے محل کا ایک باغ، سادھنا قصائی کی مسجد اور ایک مغل امیر خلابت جنگ کا محل جہاز گڑھ باقی رہ گیا ہی ان کے علاوہ جابجا بنیادون کی اینٹیں پڑی ہیں، جو اس قصبہ کی گذشتہ عظمت کی یاد دلاتی ہیں، سکھوں اور مسلمانوں کے لئے یہ قصبہ ایک مقدس مقام ہی، سکھوں نے گرد گوبند کے اہل و عیال کی یادگار میں یہان ایک گرودوارا بنوایا ہے، جہان وہ اظہار عقیدت کیلئے آتے رہتے ہیں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رح کا مقبرہ ہے، اس مقبرہ کے احاطہ میں نہ صرف مجدد الف ثانی رح کے اہل خاندان اور نقشبندی سلسلہ کے متوسلین مدفون ہین بلکہ شاہ زمان والی افغانستان بھی یہیں آسودہ خواب ہے، اس لئے یہ مقام مسلمانون کی بھی زیارتگاہ ہے،

سرہند میں اور دوسرے مقبرے بھی ہیں، ہندوستانی آثار قدیمہ کے بانی جنرل الگزنڈر کنگھم نے اس مقام کا دوبار ۱۸۳۰ء اور ۱۸۶۳ء میں معائنہ کیا تھا، اور قدیم قصبہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر میر میران کا ڈیرہ نامی گاؤن کے پاس بہت سے مقبرے دیکھے، ان میں سے دو مقبرے عام طور سے استاد و شاگرد کے نام سے مشہور تھے، ایک چھوٹا مقبرہ پیر بندی نقش والا کے نام سے منسوب تھا، یہ نام شاید پیر نقشبندی کی خرابی ہو، اس مقبرہ کی طرف کنگھم نے خاص توجہ کی، یہ ہشت پہل تھا، اسکی محرابین کھلی ہوئی تھیں، اور اس کا گنبد ناشپاتی نما تھا جس سے مغل طرز تعمیر نمایان ہوتا تھا، اسکے تمام حصون میں پھولوں کی نقاشی تھی، گنبد کھپریل کا تھا جسکی ترتیب اس طرح رکھی گئی تھی، کہ جابجا گہری نیلی لکیرین ابھری ہوئی معلوم ہون، ان لکیروں کے بیچ میں زرد اور سبز کھپریل مچھلی کے کانٹے کی طرح بچھائی گئی تھی، کنگھم نے تین مقبرے اور دیکھے ان میں سے ایک سکندر کی لڑکی ذوالقرنین (جو مقامی پیر میر میراں کی بیوی تھی) اور دو وج النسا اور تاج النسا، کی طرف منسوب تھے، کنگھم کو ان مقبروں کے متعلق صحیح اور مستند معلومات حاصل نہ ہوسکے تھے، چنانچہ جس مقبرہ کو اس نے سکندر کی لڑکی کی طرف منسوب کیا ہے، وہ دراصل بہلول لودی کی لڑکی کا ہے، اسکی تحقیق ۱۸۸۸ء میں پنجاب کے محکمۂ آثار قدیمہ کے افسر جے، راجرز نے کی، اسکو "میر میران کا ڈیرہ" کے مقبرے میں ایک کتبہ ملا، اس سے یہ معلوم ہوا، کہ یہ سلطان بہلول لودی کی لڑکی بیحان کا مقبرہ ہے، جو ۱۱ صفر ۹۱۰ھ کو فوت ہوئی، اور یہ مقبرہ سکندر لودی کے زمانہ ۹۰۲ھ میں تعمیر ہوا،

ان میں "پیر نقشبندی والا" حسین مقبرہ بالکل منہدم ہوگیا ہے، لیکن اور دوسرے مقبرے

ابھی محفوظ ہیں، یہ عمارتیں آرٹ اور تعمیرات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اہم ہیں، کہ یہ ہندی اسلامی آرٹ کے ایک غیر معروف عہد کی یادگاریں، اور آخری تغلق، لودی، اور نووارد مغلون کے طرزِ تعمیر کی کھوئی ہوئی کڑیاں ہیں، استاد خوجا (خواجہ) خان کے مقبروں کی دیوارون کی نقاشی اور مصوری کے اعلیٰ نمونے ہندی اسلامی نقاشی کے مطالعہ کیلئے بہت مفید ہین،

سلطان بہلول لودی کی لڑکی سبحان کے مقبرہ کے سوا باقی اور مقبرے سُرخ اینٹون کے بنے ہوئے ہیں، ان میں سب سے قدیم حج النسار اور تاج النسار کے مقبرے ہیں، یہ اپنے طرز کے لحاظ سے فیروز شاہ کے مقبرے سے مشابہ ہیں، مگر ان میں سے ایک کی بیرونی آرائش تغلق شاہ کے مقبرے کی آرایش سے ملتی جلتی ہے، اس کے گنبد کسی قدر نکیلے ہیں، دیوارون کی ڈھال فیروز شاہ کے مقبرے سے بھی کم ہے، دروازوں کے سامنے پشتے ہیں، جو پندرہوین صدی کے طرزِ تعمیر کا گویا پیش خیمہ تھے،

ان عمارتون میں ایران کے ایلخانی حکمرانون اور مصر کے مملوک فرمانرواؤن کے مقبروں کے بھی اثرات ہین، مقبروں کے اندرونی حصّوں کے تعویذ غیر معمولی بلند ہیں، جو التمش کی قبر سے بہت زیادہ مختلف نہین ہین، ان تعویذون کے اوپر ایک محراب ہے جس میں ایک چھوٹی مرصع کھڑکی ہے، محراب میں پلاسٹر سے خوبصورت تختیاں بنائی گئی ہیں، یہ اور گوشہ کی محرابی چھتیں جو برجیون تک پھیلی ہوئی ہین، لکڑی کی کمان پر واقع ہیں، محراب سے متصل کھڑکی کی کمان گھوڑے کی نعل کی طرح ہے، جو لودی اور سوری طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے، مقبرہ کی جالیان سادہ مگر حسین ہیں، یہ اینٹ سے ستاروں کی شکل کی بنائی گئی ہیں، ان میں بکثرت حاشیے ہین،

ان دونون مقبروں کے پاس ایک دوسرا دومنزلہ مقبرہ ہے، یہ پندرہوین صدی اور شاہان بہمنی کے مقبروں کے طرز کا نمونہ معلوم ہوتا ہے، اور کسی حد تک گلبرگہ کے "ڈاکو کے مقبرے"

سے مشابہ ہے، جو اشتر (بیدر) کے مقبرون اور گولکنڈہ میں ابراہیم قلی قطب شاہ کے مقبرے کی درمیانی کڑی ہے،

سرہند کے اس مقبرہ کی دیواریں ڈھلوان ہین، اس کے چارون گوشون پر مرکزی گنبد کے اردگرد گلبرگہ کی وضع کی مستحکم شہ نشینیں بنی ہوئی ہیں، مگر اس میں اور سرہند کے کسی دوسرے مقبرہ مین وہ دومنزلہ طاقچے نہیں ہیں، جو دکنی عمارتوں میں عام طور سے پائے جاتے ہین اس کے سامنے خلجی روایات کے مطابق برساتیان ہیں، اس کی دیوارین نیلی کھپریل کی گگریون (Frieze) سے آراستہ ہیں، یہ گگریاں چھجوں، گنبدون، شہ نشینون اور پشتون میں ہر جگہ نظر آتی ہیں، علیحدہ علیحدہ کھپریل کا طرز مانڈو اور جونپور کی عمارتون اور دہلی کے لودی کے مقبرون میں عام طور سے پایا جاتا ہے،

اس مقبرہ کے اندرونی حصّہ کا انحصار مرصّع محرابون اور طاقچوں پر ہے، اسکی دیوارون کی محرابین گھوڑون کی نعل کی جیسی ہیں، اس کے چھوٹے طاقچوں میں جوف، کجی، اور چوٹیان ہین، جو آگے چل کر، مانڈو، گلبرگہ کی بڑی مسجد، دتیا، اورچھا اور بھان گڑھ کی راجپوت عمارتوں میں عام طور سے پائی جاتی ہیں، ان کے نمونے شاہجہاں کے عہد کی چوٹی دار محرابون میں بھی دکھائی دیتے ہین،

سلطان بہلول کی لڑکی سبحان کا مقبرہ گہرے خاکستری پتھرون کا بنا ہوا ہے، جو کسی مندر سے اکھاڑے ہوئے معلوم ہوتے ہین، اس کا طرزِ تعمیر لودیوں اور سرہند کے مذکورۂ بالا مقبرون سے بالکل جدا ہے،

استاد وشاگرد کے مقبرے (جن کے نام علی الترتیب سید خاں پٹھان اور خوجا خان تھے) سب سے آخر میں بنائے گئے ہیں، ان کے سامنے کے حصّے اور مختلف برساتیاں تیمور کی ترکستانی

عمارتون اور ہندوستانی مغلون کے طرز تعمیر سے مشابہ ہین، لیکن ان کے گنبدون کی کجی میں لودی آرٹ اور چھتون کی شہ نشینون میں پندرھوین صدی کا طرز نمایان ہے، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ لودی عہد میں بنا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی کا ترکستانی طرز بابر کے حملہ سے پہلے ہی ہندوستان میں رائج ہو گیا تھا، یا ممکن ہے کہ یہ تعمیر مغلون کے ابتدائی دور حکومت کی ہو، ہمایوں نے سکندر سور کے خلاف سرہند میں جنگ کی تھی، اس سے گمان ہو سکتا ہے کہ شاید اسکے بعض مقتول ساتھی ان مقبروں میں دفن ہوں، ان مقبروں کی برجیان اور شہ نشینین لودی طرز کی ہیں، جو شاید مقامی روایات کے مطابق بنا دی گئی ہون، لیکن ان کے گنبد اور بالائی لالٹین کی وضع، الور کے فتح جنگ کے مقبرہ (۱۵۴۷ء) سے ملتی جلتی ہے، گو الور کی پہلی تین منزلین اور ان کی گیلریان دکنی طرز تعمیر سے مشابہ ہیں، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسکی اور دہلی اور سرہند کے مقبروں کی تعمیر کے درمیانی زمانہ میں فن تعمیرات میں بہت سے تغیرات ہوے، اسلئے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ سرہند کے مذکورۂ بالا مقبرے مغلوں کی حکومت کے شروع ہونے سے پہلے تعمیر ہوئے

ان مقبرون میں سے ایک کی دیوارون پر مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے، پھولوں کے درمیان سرو اور دوسرے درخت اُگے ہوئے ہیں، اور اوپر ہوا میں بادل متحرک ہیں، یہ طرز تو تیموری ہے، لیکن اس میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور مٹی کے تودوں میں سے پودے بھی اُگے نظر آتے ہیں، جو جامع التواریخ مصنفہ رشید الدین (۱۳۰۶-۱۴ء) کی مصوری اور نقاشی سے ملتے جلتے ہیں، ممکن ہے کہ ایلخانی آرٹ کی بعض خصوصیات پنجاب میں رائج ہو گئی ہون، مگر اس آرٹ کا طرز مذکورۂ بالا تصویرون کے غیر اہم حصوں میں ہے، ورنہ مجموعی حیثیت سے یہ بابر یا ہمایوں کے کسی آرٹسٹ کے ہاتھ کی نقش معلوم ہوتی ہے، اور اگر یہ واقعی بابر کے عہد کی ہے، تو یہ مسلمانون کی مصوری کا قدیم ترین نمونہ ہے،

"ص، ع"

ایک قیمتی تعیش

ستر فی صدی اشخاص عصبی المزاجی کے مرض میں مبتلا ہیں، اگرچہ اس مرض کو کوئی شخص پسند نہیں کرتا، لیکن اسکے بہت کم مریض ایسے ہیں، جو اس سے نجات پانا چاہتے ہین، وہ اس مرض کا ازالہ تو ضرور چاہتے ہیں، لیکن اس کی جو تدبیریں ان کو بتائی جاتی ہیں، وہ ان پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، حالانکہ یہی ایک ایسا مرض ہے، جس سے جسم کے سارے نظام میں بے ترتیبی، قلب کی حرکتوں میں انتشار، ہاضمہ میں فتور، اور دماغی سکون میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے، اسکے مریض یا تو کام کرنے سے دل چراتے ہیں، یا ضرورت سے زیادہ عجلت کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں، ان کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے، اور وہ دوسروں کو مشکل سے خوش کر سکتے ہیں، مگر خود انکی مدد اور ہمدردی کے محتاج ہوتے ہیں،

عصبی المزاجی کا سبب مستقل ذہنی تشویش اور فکر ہے، یہ تشویش اور فکر محض ایک خیالی شہرت اور نیکنامی کو برقرار رکھنے کے لئے ہوتی ہے،

عصبی المزاج اشخاص کے دل مین بچپن سے یہ خیال کسی صورت سے پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی ذات دوسروں کی ذات سے مختلف ہے، وہ اپنے والدین کی غیر معمولی محبت اور شفقت کی وجہ سے یہ محسوس کرنے لگتے ہیں، کہ وہ دوسرے بچوّن کے بہ نسبت زیادہ محبوب، معزز اور قابل توجہ ہیں، یا اسکے برعکس بزرگون کی جھڑکی اور غفلت سے ان کے دماغ میں یہ بیٹھ جاتا ہے، کہ وہ نسبۃً کمزور، بیوقوف، احمق اور ناقابل توجہ ہیں، اور جب وہ سن بلوغ کو پہونچتے ہیں، تب بھی ان کے دل اور دماغ پر اسی قسم کے جذبات اور خیالات چھائے رہتے ہین، اور جب وہ کوئی کام شروع کرتے ہیں، تو اپنی خیالی برتری کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے

ہین، یا کم از کم ان کی یہ کوشش ہوتی ہے، کہ کام کے انجام دینے میں ان کی خیالی کمتری اور پستی کا اظہار نہ ہونے پائے،

ان دونوں حالتوں میں فکر و تشویش اس کو دامنگیر رہتی ہے، جس سے ان کو نہ ذہنی سکون میسر ہوتا ہے، اور نہ قلبی اطمینان، بلکہ ان کا سارا عصبی نظام پراگندہ رہتا ہے، اگر غور کیا جائے، تو دونوں حالتوں میں عصبی المزاج مریض اپنی غلط قسم کی عزت نفس کی حفاظت کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے وہ عصبی المزاجی کی تمام تکلیفوں اور زحمتوں کو برداشت کر سکتا ہے، لیکن اپنی عزت نفس پر حرف گیری پسند نہیں کر سکتا ہے، یہ کتنا قیمتی اور مسرفانہ تعیش ہے!!

مگر یہ تعیش لاعلاج نہیں ہے، اسکے عادی پر یہ خیال مسلط رہتا ہے، کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح غلطی نہیں کر سکتا، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، بلکہ لوگ خود اسکے محتاج ہیں، وہ اس قسم کے توہمات کا قصداً انتکار نہیں ہوتا، بلکہ اپنی طبیعت سے مجبور ہوتا ہے، اس میں وہ تمیز اسی وقت پیدا کر سکتا ہے، جب اس کو اسکی گذشتہ زندگی کے واقعات بتا کر یہ دکھایا جائے، کہ اس قسم کا مہلک خیال اس میں کس طرح اور کیونکر پیدا ہوا، اس طرح رفتہ رفتہ وہ اپنے خیالات کے اسباب و علل پر خود غور کرنے لگے گا، اور جب وہ غور کرنے لگے تو پھر اسکو یہ بتانا چاہئے کہ ایک غلط قسم کی عزت نفس کو برقرار رکھنے کی فکر، تشویش بے اطمینانی، اور تکلیف بہتر ہے یا صحیح قسم کی خودداری، خود اعتمادی، آزادی، ہمت اور صحت،

"ص ع"

اخبار علمیہ

زہرہ مین آبادی

تمام تیاروں میں زمین سے قریب ترین تیارہ زہرہ ہے، زمین سے اسکی مسافت ۲۶ لاکھ میل ہے، اسکی زیادہ سے زیادہ دوری ۱۲۶ لاکھ میل تک ہو جاتی ہے، یہ اپنے حجم اور وزن میں زمین ہی کے برابر ہے، اور اس میں زمین ہی کی طرح فضا ہے، جس کا عینی مشاہدہ بھی کیا گیا ہے، جب زہرہ زمین اور آفتاب کے درمیان سے ہو کر گذرتا ہے، تو آفتاب کے سامنے ایک تاریک داغ کی شکل میں متحرک نظر آتا ہے، اور جب قرص آفتاب میں داخل ہوتا ہے، یا اس کو چھوڑتا ہے، تو اسکے کنارہ کے ان حصوں میں جو آفتاب سے باہر ہوتے ہیں، روشنی اور چمک نظر آتی ہے، اور اسی وقت ہوتا ہے، جب زہرہ کی فضا سے روشنی پھیلتی ہے، زہرہ آفتاب سے ماورا ہمیشہ نہیں گذرتا ہے، پہلی بار ۱۸۷۴ء میں گذرتا ہوا دکھائی دیا تھا، پھر ۱۸۸۲ء میں اس کا مشاہدہ کیا گیا، لیکن اب وہ ۸ جون ۲۰۰۴ء اور اسکے بعد ۶ جون ۲۰۱۲ء میں گزرے گا،

ماہرین ہیئت کا خیال ہے، کہ زہرہ میں بھی اس دنیا کی طرح براعظم، سمندر، دریا اور پہاڑ ہیں، انھوں نے دوربینوں کے ذریعہ ان چیزوں کو دیکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن اب تک صرف دھندلے نشانات نظر آئے ہیں، علماء ہیئت کی رائے ہے، کہ زہرہ کے سامنے بادلوں کی اتنی ضخیم تہ در تہ ہے، کہ اسکی آبادی کو دیکھنا آسان نہیں، پھر بھی وہاں کی بعض چیزوں کے متعلق معلومات حاصل کئے گئے ہیں، مثلاً زہرہ کا ایک دن اس دنیا کے چار ہفتے کے برابر ہوتا ہے

جسکے معنی یہ ہیں، کہ وہاں سال میں صرف بارہ یا تیرہ دن ہوتے ہیں، زہرہ کی عمومی حرارت کا بھی اندازہ لگایا گیا ہے جب یہ آفتاب کے سامنے سے گذرتا ہے، تو اسکی حرارت ۸۰ یا ۹۰ ڈگری اور اسکے تاریک داغ کی حرارت نقطۂ انجماد سے ۴۰ ڈگری کم ہوتی ہے، اتنی حرارت میں وہاں کسی آبادی کا ہونا ناممکن نہیں، زہرہ میں کاربن ڈی اکسائڈ کی کثرت ہے لیکن آکسیجن کا پتہ نہیں چلتا ہے اگر ہے بھی تو بہت ہی تھوڑی مقدار میں ہے، آکسیجن کی کمی کی وجہ سے بعض ماہرین ہیئت کا خیال ہے کہ اگر زہرہ میں آبادی ہے تو یہ اپنی اسی ابتدائی منزل میں ہے جس میں موجودہ دنیا کی آبادی لاکھوں برس پہلے تھی۔

جذبات اور دانت

دماغ کے علاج کے ماہر الگزنڈر ریڈ مارٹن نے مان ہاتن (امریکہ) کے ماہرین دندان کی ایک مجلس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر بچے دانت سے جھنجھنا کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں، یا کھلونے کو چباتے رہتے ہیں، یا کاغذ اور لکڑی کو کترتے ہیں، تو اس سے ان کو کوئی ضرر نہیں پہونچتا، جو والدین اپنے بچوں کو ان حرکتوں سے باز رکھتے ہیں، وہ نہ صرف بچوں کے جبڑوں کو نقصان پہونچاتے ہیں، بلکہ ان کی شخصیت اور انفرادیت کے نشو و نما میں بھی مزاحم ہوتے ہیں، بچوں کو مسرت و رنج کا احساس، اشتہار اور آسودگی کی تسکین سب سے پہلے منہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، اسلئے ان کو منہ اور دانت کی حرکتوں میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے،

ماں کے اندرونی جذبات کا ردِ عمل بچوں کے دانتوں پر لازمی طور سے ہوتا ہے، جو عورتیں ایام حمل میں متردد، متفکر اور کبیدہ خاطر رہتی ہیں، ان کو بچوں کے دانت کے لئے کیلشیم (چونا) فاسفورس اور حیاتین استعمال کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن بچے کی پیدائش کے بعد ان کو اپنے جذبات کے توازن کو قائم رکھنا چاہئے، بچوں کو غیر معمولی ناز و نعمت سے رکھنے میں ان کے دانت مضبوط اور سخت نہیں ہونے پاتے، اسکیمو اپنے بچوں کو زیادہ احتیاط سے نہیں رکھتے، چنانچہ وہ سوکھے چمڑے بھی چباتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ ان کے دانت آخر عمر تک خراب نہیں ہوتے ہیں،

بچوں پر سختی کرنے سے بھی ان کے دانت پر اثر پڑتا ہے، تندی اور جھڑکی سے وہ مشتعل اور عصبی المزاج ہوکر دانت پیستے ہیں، جن سے ان کے جبڑے کمزور ہو جاتے ہیں، جو بچے کس مپرسی اور تنہائی میں رہتے ہیں، وہ بعض اوقات غیر معمولی طور سے مٹھائی کے لالچی ہوتے ہیں، شاید مٹھائی کھا کر اپنی زندگی کی مٹھاس کی کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں،

سیّاروں کے ساتھ انسان کی گردش

بیان کیا جاتا ہے، کہ جب زمین خطِ مستقیم کے گرد گھومتی ہے، تو قطب شمالی اور خطِ استوار کے بیچ کے بسنے والے انسان ایک گھنٹہ میں زمین کے ساتھ ۱۰۰۰ میل کا چکر کرتے ہیں، آفتاب کے گرد زمین کی حرکت سے ایک آدمی ایک سال میں دو سو کروڑ میل کی مسافت یعنی ایک سکنڈ میں ۱۸ میل طے کرتا ہے، نظام شمسی کی حرکت سے ایک آدمی Vega (صورت شلیاق کا روشن ترین ستارہ) کی طرف ایک سکنڈ میں ۱۲ میل متحرک ہوتا ہے، اسی طرح کہکشاں کی سمت وہ ایک سکنڈ میں ۱۷۰ میل جاتا ہے؛

حال ہی میں کیلیفورنیا کے ایک مشہور سائنس داں نے دس سال کی محنت کے بعد یہ تحقیق کی ہے، کہ کہکشاں (Milky Way) دوسری کہکشاں (Draco) کی طرف ایک سکنڈ میں سو میل کی رفتار سے جا رہی ہے،

"ص ع"

باب التقریظ والانتقاد

رسائل اور اخبارات کے خاص نمبر

جوہر اقبال مرتبہ جناب محمد حسنین صاحب متعلم بی اے، تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر مجلد قیمت مرقوم نہیں، پتہ مکتبہ جامعہ دہلی،

طلبائے جامعہ نے سر اقبال مرحوم کی یادگار میں رسالہ "جوہر" کا یہ خاص نمبر نکالا ہے، اس میں اقبال کی شاعری، انکی تعلیمات، ان کے سوانح اور ان کی بعض تصانیف پر متعدد و ممتاز اہل قلم اور طلبہ کے مفید مضامین ہیں، لکھنے والوں میں ڈاکٹر عابد حسین صاحب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر قاضی عبد الحمید صاحب، مولینا ابو الاعلیٰ مودودی، اور مولینا سعید احمد صاحب کے نام قابلِ ذکر ہیں، مضامین قریب قریب سب اچھے ہیں "عشق اور عقل اقبال کی شاعری میں" "حیات اقبال کا سبق" "اقبال کی شخصیت اور اس کا پیغام" "اقبال کا فلسفۂ زندگی" "اور عمل" "اور اقبال کا جذبۂ مذہب" خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہیں، طلبہ میں "اقبال کی تعلیم" محمد عرفان صاحب "اقبال اور انسانیت" حُسن سبحانی، "اقبال کی اردو شاعری پر ایک نظر" محمد حسنین صاحب اچھے مضامین ہیں اردو کے اقبال نمبر کے بعد یہ نمبر اقبال کی شاعری کی مختلف حیثیتوں پر اچھا نمبر ہے

کریسنٹ فروغ اردو نمبر، مرتبہ عبد السلام صاحب خورشید تقطیع بڑی ضخامت ۱۶۶ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- اسلامیہ کالج لاہور،

بزم فروغ اردو کے نام سے اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ کی ایک ادبی انجمن ہے جس میں مختلف موضوعوں پر مقالات پڑھے جاتے ہیں، اور غالباً ان کا مجموعہ شائع کیا جاتا ہے، کالج میگزین (کریسنٹ) کا یہ نمبر ان مقالات کا تیسرا مجموعہ ہے، اس میں نو مقالات ہیں، "دور مغلیہ میں لاہور کے مدارس" شجاع الدین صاحب، "کانگریس پر ایک مورخانہ نظر" محمد یونس صاحب، "اقبال اور عصر حاضر کی سیاسی تحریکات" عبد السلام صاحب خورشید، "اردو تغزل میں اصلاح" غلام جیلانی صاحب "کوہ نور ہیرے کی داستان" عبد الصمد صاحب، "پاکستان" جہانگرد "اسلامی تمدن اور قیام امن" حمید عاجز، "اردو قصیدہ کی نشو ونما" غلام رسول صدیقی، "مولینا ظفر علی خان کی طنزیہ شاعری" تابش صدیقی، یہ دیکھ کر مسرت ہوئی، کہ اسلامیہ کالج کے طلبہ کا مذاق ستھرا ہے، اور آج کل کے نوجوانوں کی طرح ان کی ادبی مشق ادب وافسانے پر ضائع نہیں ہوتی، بلکہ وہ سنجیدہ اور مفید موضوعوں پر بھی غور وفکر کرتے ہیں، طلبہ کی استعداد کو دیکھتے ہوئے یہ سب مضامین خاصے ہیں، خصوصاً پہلا مضمون بہت اچھا ہے، پاکستان کا تخیل کیسا ہی ہو لیکن اس پر جغرافی حیثیت سے دلچسپ بحث کی گئی ہے، اردو قصائد کا مضمون بھی مفید ہے،

ہمدردِ صحت ضبط تولید واصلاحِ نسل نمبر } مرتبہ حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۳۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت باختلاف کاغذ ۱۳ اور ۱۹ ار، پتہ :- ہمدرد منزل لال کنوان دہلی،

حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی اہم طبی مسائل پر اپنے رسالہ ہمدرد صحت کے مفید نمبر نکالا کرتے ہیں، اس سے پہلے وہ مختلف مسائل پر متعدد نمبر نکال چکے ہیں، یہ نمبر جو درحقیقت پوری کتاب ہے موجودہ دور کے ایک اہم اور عالمگیر مسئلہ "ضبط تولید واصلاح نسل" پر ہے، ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کی دو حیثیتیں ہیں، ایک تو محض تعیش، اور اخفائے جرم کیلئے جو آج کل یورپ میں رائج ہے

یہ نہ صرف مذہب، بلکہ اخلاق، انسانیت اور منشائے تخلیق کے خلاف ہے، اور اب خود یورپ میں اسکے خلاف آوازیں بلند ہونے لگی ہیں، لیکن بعض خاص حالات مثلاً بیماریوں کی صورت میں وہ کبھی ضروری ہو جاتا ہے، اور اس صورت میں مذہباً بھی اس میں کوئی قباحت نہیں، اس لحاظ سے یہ نمبر اس اہم مسئلہ پر نہایت مفید ہے، اس میں تاریخی، علمی، اقتصادی، طبی، مذہبی مختلف نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر مبسوط و محققانہ مضامین فراہم کئے گئے ہیں، اس مختصر ریویو میں اسکی تفصیل کی گنجائش نہیں، اسکے ابواب سے ان بحثوں کا سرسری اندازہ ہو جائے گا، اس میں گیارہ باب ہیں، ضبط تولید تاریخ کی روشنی میں، استقرار حمل، منع حمل کے ذرائع، اسکے مجربات، ضبط تولید کی تحریک مختلف ممالک میں، ضبط تولید اور معاشیات، ضبط تولید و نفسیات علم، اصلاح نسل، متفرقات، ضبط تولید اور مذاہب عالم، ضبط تولید و اصلاح نسل، اور مشاہیر عالم، ادبیات ضبط تولید، تشریح اعضائے تولید، بعض بعض ابواب میں کئی کئی فصلیں ہیں، ہر باب میں اسکے متعلقہ موضوع پر نامور یونانی اطبا اور ڈاکٹروں کے محققانہ مضامین ہیں، جن میں بعض یورپ کے مشاہیر فن بھی ہیں، غرض اس نمبر میں اس مسئلہ کا کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، ہر پہلو پر نہایت تحقیق و تحقیق کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، فن سے متعلق اور ارباب فن کی متعدد تصویریں ہیں، اردو میں اس موضوع پر غالباً اس سے بہتر معلومات کا ذخیرہ نہیں مل سکتا، یہ نمبر عام لوگوں سے زیادہ اطبا کیلئے مفید ہے،

ادب لطیف سالنامہ، مرتبہ چودھری برکت علی صاحب و مرزا ادیب کی بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت عہ ر پتہ سرکلر روڈ لاہور

ادب لطیف کا یہ سالنامہ حسب معمول ۳۹ء کے شروع میں نکلا تھا، لیکن ہمارے پاس وقت سے نہ پہونچا تھا، اسلئے اب تک ریویو نہ ہوسکا، یہ سالنامہ اپنی تمام قدیم روایات کا حامل ہے، بلکہ افسانوں کے لحاظ سے گذشتہ نمبروں سے کچھ بڑھا ہی ہوا ہے، اس میں ہر ذوق کے

افسانے ہیں، اور بیشتر دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہیں، "افسانہ کیونکر بنتا ہے" پریم پجاری خود داری ڈاکٹر اعظم کریوی "اس نے کہا" مسعود جاوید "داغ معصیت" مسز شیخ عبدالقادر صاحب "مان" مس کے احمد شجاع بہت اچھے افسانے ہیں "نکشی کا سواگت" اوپندر ناتھ اشک "دفینہ" منشی پریم چند "زوال کنیٹن" سبق آموز ہیں "عدالت" نریندر ناتھ "میں کون ہوں" ناکارہ حیدرآبادی "اور نئی روشنی" حکیم احمد شجاع تینوں افسانوں میں بہ ترتیب عدالتوں کی بے انصافی، جنگل کے بیکار نوجوانوں اور مغرب زدہ لوگوں کا نہایت دلچسپ خاکہ اڑایا گیا ہے، حسب معمول صحرانورد کے دلچسپ خطوط کی ساتویں قسط بھی ہے، لیکن اب صحرانورد پر تھکان کے آثار طاری ہیں، ذوقی چیزیں کے منصبی فرض نبھانے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے، بعض علمی و سنجیدہ مضامین بھی ہیں، لیکن بہت معمولی درجہ کے، ان میں بادشاہ حسین صاحب کا مضمون "ہندوستان کی حرفتی نا قابلیت" مفید ہے،

پیشوا میلاد نمبر، مرتبہ عزیز حسن صاحب بقائی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت عہ، پتہ:- دفتر پیشوا جامع مسجد دہلی،

جناب بقائی صاحب نے حسب معمول ولادت نبوی کی مبارک تقریب پر یہ نمبر نکالا ہے، اسکے ایک حصہ میں جناب آغا رفیق صاحب کے قلم سے پوری سیرت نبوی اور اخلاق نبوی کا مختصر ذکر ہے، دوسرے حصہ میں مولوی محمد ادریس صاحب نے معاہدات و فرامین نبوی جمع کر دیئے ہیں، سیرت کے لحاظ سے یہ نمبر خاصہ ہے لیکن اس موضوع پر اردو میں ہر معیار کی اتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، کہ سیرت کے نمبروں سے کوئی خاص فائدہ نہیں، اسکے بجائے حیات طیبہ کے اور پہلوؤں اور اسلامی تعلیمات کو پیش کرنا زیادہ مفید ہوگا،

کہکشاں مسلم لیگ نمبر، مرتبہ جناب محمد صابر صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۸ صفحے کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت ۱ر پتہ:- دفتر کہکشاں دہلی،

کہکشاں ادبی رسالہ ہے، لیکن اس نمبر میں اس نے سیاست میں قدم رکھا ہے، اس میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نزاعی امور میں لیگی نقطۂ نظر سے معمولی درجہ کے مضامین ہیں، اردو اور ہندی کے مسئلہ پر کئی مضمون ہیں، جن میں اسکے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، قابلِ ذکر مضامین میں واردھا اسکیم پر تنقید، طلوعِ اسلام سے نقل کیا گیا ہے، ایک مضمون "ملعون کانگریسی تثلیث" کی تلخی ملعون کے لفظ سے ظاہر ہے، اس میں واردھا اسکیم، مسلم ماس کانٹیکٹ اور روٹی اور سرمایہ داری کے مسائل پر توحید کی عینک سے تنقید کی گئی ہے، اس قبیل کے اور چھوٹے چھوٹے مضامین ہیں،

عصمت سالگرہ نمبر، مرتبہ جناب رازق الخیری صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- دفتر عصمت، کوچۂ چیلان دہلی،

رازق الخیری صاحب نے حسب معمول عصمت کا یہ سالگرہ نمبر نکالا ہے، ابتدا میں گذشتہ سال کی مضمون نگار خواتین کے مضامین پر مفید تبصرہ ہے، اس سے ہماری تعلیم یافتہ خواتین کی علمی رفتار کا اندازہ ہوتا ہے، مضامین میں تنوع، معلومات اور دلچسپی ہر پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے، مذہبی، علمی، ادبی، تاریخی اور سیاسی ہر ذوق کے مضامین اور نسوانی مسائل پر مفید اور کارآمد معلومات ہیں، ڈاکٹر نصیر الدین صاحب کا مضمون "دنیا میں کیا ہو رہا ہے" تعلیم یافتہ خواتین کے مطالعہ کے لائق ہے، شائستہ اختر بانو صاحبہ کا مضمون "اٹلی کی سیر" دلچسپ بھی ہے، اور مفید بھی، "علامہ راشد الخیری کی ادبی حیثیتیں" بھی اچھا مضمون ہے، ادب و افسانے کا حصہ بھی دلچسپ ہے، "شیلا" "مصلح" اور "راج ہنس" دلچسپ افسانے ہیں، خالص نسوانی موضوعوں پر بھی متعدد چھوٹے چھوٹے مضامین ہیں، اشعار میں آیاتِ قرآنی کا ترجمہ، خواہ وہ ادبی لحاظ سے کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو، پسندیدہ نہیں ہے، کہ قرآن نے خود اپنی جانب شاعری کی نسبت کی تردید کی ہے،

مدینہ جوبلی نمبر، مرتبہ جناب ابو سعید صاحب بزمی تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- بجنور، یوپی،

اردو اخباروں میں مدینہ کو جو امتیاز حاصل ہے، اس سے اخبار بین طبقہ اچھی طرح واقف ہے، وہ چوتھائی صدی سے ایک روش پر ہمت واستقلال کیساتھ ملک وملت کی مخلصانہ خدمات انجام دے رہا ہے، اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلاب وحوادث ہوئے، اس میں مدینہ کو بھی مختلف قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا، لیکن کسی دور میں اس کا قدم نہیں ڈگمگایا، اس طویل مدت کی یادگار میں اس نے جوبلی نمبر نکالا ہے، اس کو ہندوستان کے عموماً اور مسلمانوں کے خصوصاً اہم مسائل اور موجودہ دور کے اہم مباحث اور افکار و خیالات اور ہندوستان سے متعلق مختلف قسم کے مفید معلومات کا مجموعہ بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، چنانچہ زبان، تعلیم وتہذیب، معاشی اور سیاسی مسائل پر قدیم تاریخ وجدید خیالات دونوں نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے، موجودہ مسائل کے علاوہ متعدد تاریخی مضامین اور مختلف قسم کے معلومات ہیں، لکھنے والوں میں ہر خیال کے ممتاز لوگوں کے نام ہیں، مولینا سید سلیمان ندوی، مولینا اسلم جیراجپوری، ڈاکٹر سپرو، ڈاکٹر محمود وزیر تعلیم بہار، قاضی عطاء اللہ وزیر تعلیم سرحد، ڈاکٹر اشرف، مولوی سید طفیل احمد صاحب، مولینا سید علی زینبی، اس طرح اس نمبر میں مضامین کے تنوع کیساتھ مختلف خیالات کے لوگوں کی ترجمانی ہے، عام دلچسپی کیلئے ادب اول افسانے، اور فکاہات کی چاشنی بھی دیدی گئی ہے، نظموں کا بھی وافر حصہ ہے، ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے اسلامی آثار کے متعدد فوٹو ہیں، ان خوبیوں کے ساتھ بعض معمولی فروگذاشتیں بھی نظر آئیں، مثلاً ایک مضمون میں "خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے خلاف ایک معمولی شخص ابی بن کعب نے یزید بن ثابت کی عدالت میں ایک شکایت پیش کی (ص ،،)" حضرت ابی بن کعبؓ معمولی شخص نہیں، بلکہ بڑے مقتدر صحابی ہیں،

یزید بن ثابت نہیں، بلکہ زید بن ثابت ہے،

الامان شہید نمبر، مرتبہ جناب عبد الحمید شملوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۴ر، پتہ :- دفتر الامان دہلی،

عبد الحمید صاحب شملوی نے اخبار الامان کے بانی مولینا مظہر الدین مرحوم کی یادگار میں یہ نمبر نکالا ہے، اس میں مرحوم کے سوانح، ان کی سیرت، ان کے سیاسی و مذہبی خدمات پر مضامین اور حادثہ کی تفصیلات، اور اسکے مختلف پہلوؤں پر مرحوم کے احباب و مخلصین کے تاثرات ہیں،

"م"

نئے رسالے

نیا ادب مرتبہ سبط حسن صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲، صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ ے رفی پرچہ ۴ر، پتہ :- دفتر نیا ادب نظیر آباد لکھنؤ،

سوشلزم کے عقائد و خیالات سے بحث نہیں، لیکن اب یہ عقیدہ اتنا عالمگیر ہو رہا ہے، کہ دنیا کی فلاح اور اس کا امن و سکون سوشلزم سے وابستہ کیا جا رہا ہے، ہندوستان میں اس کے اثرات صرف سیاست تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ادب و لٹریچر میں بھی اس ذہنی انقلاب کے آثار نمایاں ہیں، اور اس نے جدید خیالات و رجحانات کا ایک نیا لٹریچر پیدا کر دیا ہے، "نیا ادب" اسی کا ترجمان ہے، ہم کو یہ دیکھکر خوشی ہوئی، کہ اس رسالہ میں انتہا پسندی اور بے راہ روی یعنی اپنی ہر قدیم چیز سے بیزاری اور بے معنی انقلاب کی دعوت نہیں ہے، بلکہ وہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اپنے خیالات کی اشاعت کرتا ہے، اس کے بیشتر مضامین اسی مقصد کے ماتحت ہوتے ہیں، ادبی لحاظ سے بھی اچھا رسالہ ہی، ادب و افسانہ کا حصہ دلچسپ ستھرا اور مفید ہوتا ہے، ہم نے اسکے جتنے نمبر دیکھے، سب کو ادبی اعتبار سے بہتر پایا، "پرانے زمانہ کے لوگ" میں پرانے

بزرگوں کی اچھی مصوری کی گئی ہے، "آم کا پھل" میں دیہاتی زندگی کے واقعات کا ایک دلچسپ پہلو دکھایا گیا ہے، "امیر کا محل"، "مغرب زدہ بیوی"، اور ترقی پسند خیالات کا اچھا نمونہ ہے، لکھنؤ کی آب و ہوا اچھے رسالوں کیلئے کچھ زیادہ سازگار نہیں ہے، لیکن یہ رسالہ زندہ رکھنے کے لائق ہے،

انیس نسواں، مرتبہ شیخ محمد اکرام صاحب بیرسٹر ایٹ لا، تقطیع اوسط، ضخامت ۲، صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ صر معمولی اڈیشن ے رفی پرچہ ۸ر اور ۴ر

پتہ :- دفتر انیس نسواں دہلی،

ہماری عورتوں نے قدیم اور جدید دونوں تہذیبوں کے اچھے اثرات کے مقابلہ میں اسکے بُرے اثرات زیادہ قبول کئے، پرانے زمانہ میں وہ عموماً جہل و جمود، لغو رسم و رواج اور وہم پرستی میں مبتلا رہیں، اور اب نئی پود یورپ کی ظاہر فریب تہذیب کا شکار ہے، جس کا مشاہدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں کی خواتین میں کیا جا سکتا ہے، شیخ محمد اکرام صاحب نے جو پرانے خدام ادب میں ہیں، عورتوں کو اس وبا سے بچانے، ان میں صحیح مذہبی تعلیم، اور اسلامی اور مشرقی خیالات کی اشاعت اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت کیلئے یہ رسالہ نکالا ہے، ہم نے اسکے چند نمبر دیکھے، اور ہر نمبر کو رسالہ کے مقاصد اور مضامین کے لحاظ سے بہتر پایا، تمام مضامین سنجیدہ، مفید، پراز معلومات اور صحیح اسلامی و مشرقی تعلیم و خیالات کا سبق ہوتے ہیں، ان میں علمی، ادبی، مذہبی، تاریخی، اصلاحی ہر طرح کے معلومات کا لحاظ رکھا جاتا ہے، ہر نمبر میں التزام کے ساتھ عورتوں سے متعلق کسی قرآنی تعلیم پر کوئی نہ کوئی مضمون ضرور ہوتا ہے، فاضل اڈیٹر کے مضامین خاص طور سے عورتوں کے پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں، لکھنے والوں میں بعض ممتاز اہل قلم کے نام نظر آئے، شیخ عبد القادر صاحب کا مضمون "اچھی گھر والی"، پروفیسر جمیل واسطی صاحب کا "تہذیب مغرب کدھر جا رہی ہے"، اور شائستہ اختر بانو صاحبہ کا "انیس نسواں کا قابل تحسین خیر مقدم" مضامین خاص توجہ سے پڑھنے کے لائق ہیں،

کر وہ تہذیب جدید کے مرکز لندن میں بیٹھ کر مشرقی نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں، انیس ہر شریف خاتون کا ہمدم وہمراز بنانے کے لائق ہے، رسالہ کے اڈیٹر شیخ اکرام صاحب ہمارے پرانے ادبی رفقا میں ہیں، امید ہو کہ ان کی نگرانی میں یہ رسالہ پوری طرح کامیاب ہوگا،

چنگاری مرتبہ جناب سجاد ظہیر صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۴۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ ۳ر ششماہی ۱۔ ۸ر، فی پرچہ ۴ر، پتہ :۔ محلہ بانس تراشان نسہار نپور،

انقلاب روس سے پہلے وہاں سوشلسٹ پارٹی کا ایک اخبار "اسکرا" (چنگاری) نکلتا تھا، اس نے انقلاب کا شعلہ بھڑکانے میں بڑی مدد دی، اسلئے ہندوستان کے سوشلسٹ نوجوانون نے بھی یہ چنگاری سلگائی ہے، اتفاق سے اوسکی ادارت سجاد ظہیر صاحب کے ہاتھوں میں ہے جنھین "انگارہ" دہکانے کا کافی تجربہ ہے، اسلئے امید ہے، کہ یہ چنگاری کسی دن شعلہ بن جائیگی، انقلابی خیالات کی اشاعت اسکا مقصد ہے، اس مقصد کے مطابق اس کے تمام مضامین ہوتے ہین، بین الاقوامی سیاست اور اسکے نتائج پر بحث اور سوشلسٹ نقطۂ نظر سے ہندوستان کی سیاست پر تبصرہ اس کا مفید اور کارآمد حصہ ہوتا ہے، سیاسی معلومات کے لئے اچھا رسالہ ہے،

سہیل مرتبہ حکیم ظ۔ کمال صاحب ندوی تقطیع اوسط ضخامت ۴۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ ۲ر ششماہی عہ ۱۱؍، پتہ گھسیاری ٹولہ گیا، بہار،

بہار کی سرزمین اخبارات ورسائل کے لئے بہت شور واقع ہوئی ہے، لیکن اب اس میں روئیدگی کی صلاحیت نظر آنے لگی ہے، اور ادبی پودے اگنے لگے ہیں، چنانچہ حال میں ایک نیا رسالہ سہیل گیا سے طلوع ہوا ہے، ہم نے اسکے کئی نمبر دیکھے، شروع کے نمبر ادبی لحاظ سے ابتدائی منزل میں تھے، مگر اب اس کا ہر قدم ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے، زیادہ حصہ ادب اور

افسانے کا ہوتا ہے، کبھی کبھی کوئی اچھا اور مفید مضمون بھی نظر آجاتا ہے، لائق اڈیٹر کا مضمون "خواب وتعبیر خواب" مفید ہے، زبان کی صحت کیجانب کم توجہ ہے، لیکن جیسا کہ اوسکی رفتار سے معلوم ہوتا ہے یہ خامیاں جلد دور ہو جائیں گی، بہار سے یہ رسالہ بھی غنیمت ہے، اسلئے اردو زبان کے قدردانون کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، تعجب ہے کہ پٹنہ کے اصحاب ادب جن پر اردو زبان کی خدمت کا بڑا حق ہے کیوں خاموش ہیں، معیار مرحوم کے بعد پھر وہان سے کوئی قابل ذکر رسالہ نہ نکلا،

البیان مرتبہ جناب محمد حسین صاحب عرشی تقطیع بڑی ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت سالانہ ۲ر فی پرچہ ۴ر، پتہ :۔ دفتر امت مسلمہ امرتسر،

"بلاغ" امرتسر جماعت اہل قرآن کا مشہور رسالہ ہے، غالباً جماعت کے اندرونی اختلافات کے باعث اسکے سابق اڈیٹر وپبلشر ڈاکٹر علم الدین صاحب "امت مسلمہ" سے خارج کر دیئے گئے، اور اب ڈاکٹر صاحب اور بلاغ کی جگہ جناب محمد حسین صاحب اور البیان نے لی ہے بلاغ کے مقاصد اور خصوصیات معلوم ومشہور ہیں، البیان اسی کا مثنی ہے، صرف نام بدل گیا ہے باقی مقاصد اور مضامین کی نوعیت وہی ہے، اس جماعت کے علم وتحقیق کے نادر نمونے بلاغ میں اکثر نظر آیا کرتے تھے، البیان بھی اس میدان میں اس سے پیچھے رہنا نہین چاہتا، چنانچہ فاضل اڈیٹر کا مضمون "ملت ابراہیم" اس کا دلچسپ نمونہ ہے، گو اسکے تمام مضامین خاص نقطۂ نظر سے لکھے جاتے ہیں، لیکن کبھی کبھی عام مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے بھی کوئی مفید مضمون نکل جاتا ہے،

ہمجولی، مرتبہ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی، وآمنہ خاتون صاحبہ، تقطیع بڑی، ضخامت :۔ ۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ عار

پتہ :۔ ہمجولی دہلی

ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی ادارت میں طبیب نسواں کے نام سے عرصہ سے ایک نسوانی رسالہ نکل رہا تھا، اسی نے اب ہجولی کا لباس پہن لیا ہے، صرف ظاہری قالب بدلا ہے، معنوی خصوصیات وہی ہیں، عورتوں کے لئے سنجیدہ علمی وادبی مضامین اور نسوانی مباحث پر مفید اور کار آمد باتیں پیش کرتا ہے، "چالاک تاجر" "ہفت ہزاری دادا" اور "پٹھان کا بیٹا" دلچسپ افسانے ہیں، "ریل کا سفر" گو بہت مختصر ہے لیکن لطف سے خالی نہیں، ہجولی شریف خواتین کی سہیلی بننے کے لائق ہے،

منزل دہلی، مرتبہ صاحبزادہ عالمگیر مرزا دہلوی، تقطیع بڑی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ عار، ششماہی عہ، فی پرچہ ۳۰، پتہ :- بلیماران دہلی،

یہ رسالہ چند مہینوں سے دہلی سے نکلتا ہے، اوسط درجہ کا ادبی رسالہ ہے، بیشتر مضامین ادبی اور بعض معمولی درجہ کے علمی ہوتے ہیں، ہر نمبر میں شریفی خاندان کے کسی نامور بزرگ کے حالات دیتا ہے،

موڈی لینڈ مرتبہ جناب ایل سی بھلہ صاحب بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت سالانہ عار، فی پرچہ ۳ر، پتہ :- سکندر آباد دکن،

یہ فلمی رسالہ ہے، اور غالباً انگریزی میں بھی نکلتا ہے، اس میں فلم کے متعلق فنی مضامین، دنیائے فلم کی خبریں، اور اس سے متعلق ہر قسم کے معلومات ہوتے ہیں، ادب و افسانے کا بھی ایک حصہ ہوتا ہے، سراج احمد صاحب علوی کا مضمون "آرٹ" بہت دلچسپ ہے، آج کل کے فلمی رسالوں کی زینت عموماً ادب لطیف، سطحی معلومات اور فلم اسٹار کی تصاویر سے ہوتی ہے، لیکن یہ رسالہ اس موضوع پر سنجیدہ مضامین و معلومات پیش کرتا ہے،

مسیح الملک، مرتبہ جناب حکیم محمد منظر الدین صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- دفتر رسالہ مسیح الملک قرول باغ دہلی،

دہلی کا نیا طبی مدرسہ جامعہ طبیہ حکیم کبیر الدین صاحب کی سرپرستی میں طب کی اچھی خدمت کر رہا ہے، مسیح الملک اسی کا آرگن ہے، یہ واقعہ ہے، کہ طب یونانی اطباء کے جمود اور فنی قناعت پسندی کی وجہ سے بہت پیچھے رہ گئی ہے، لیکن اب زمانہ کے حالات نے اس کو حرکت پر مجبور کیا ہے، چنانچہ یہ رسالہ اسی مقصد سے نکلا ہے، کہ وہ علمی اور عملی دونوں میدانوں میں طب یونانی کا قدم آگے بڑھائے، اور اسکے تمام وسائل کو کام میں لائے، مثلاً قدیم مسائل کی تحقیقات، پرانے طریقوں کو نئے مذاق کے مطابق بنانا، جدید اکتشافات سے فائدہ اٹھا کر نئے حالات کا مقابلہ کرنا، حکومت سے طب یونانی کی اہمیت منوا کر اسے پبلک میں مقبول بنانا، طبی دنیا کے حالات سے اطبا کو باخبر کرنا، وغیرہ، جامعہ طبیہ کے کارکنوں کی ہمت سے امید ہے، کہ رسالہ ان مقاصد میں کامیاب ہوگا،

کارنامہ، مرتبہ مسرور قنوجی، تقطیع اوسط، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ ۱۲ر، فی پرچہ ۳ر، پتہ :- سبزی منڈی الہ آباد،

یہ رسالہ الہ آباد سے نکلتا ہے، اس کے ٹائٹل پر تو علمی و ادبی لکھا ہے، لیکن جتنے نمبر ہم نے دیکھے ان میں بیشتر طبی مضامین نظر آئے، ادب و افسانہ کا بھی حصہ ہے، لیکن بہت مختصر طب کے متعلق کار آمد باتیں ہوتی ہیں،

کاشتکار جدید مرتبہ چودھری رحمت خان صاحب، تقطیع اوسط، ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت سالانہ :- عار فی پرچہ ۳ر، پتہ :- کسان اینڈ کمپنی بیج و پودے فروش چیمبرلین روڈ، لاہور،

کاشتکار کے نام سے عرصہ سے ایک زراعتی رسالہ لاہور سے نکلتا تھا، لیکن اڈیٹر کے ایک ہونہار شاگرد نے اس پر قبضہ جما لیا، جس کا شکوہ اس رسالہ میں ہے، اسلئے اب انھوں نے کاشتکار جدید کے نام سے یہ نیا رسالہ نکالا ہے، اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے، اس میں زراعت و باغبانی کے متعلق مضامین و معلومات ہوتے ہیں، جن لوگوں کو اس سے دلچسپی ہے، ان کے لئے اس میں کار آمد

باتیں ہوتی ہیں،

معلومات مرتبہ جناب احمد الدین احمد صاحب مارہروی تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰ صفحے،
کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر قیمت سالانہ ۲ ششماہی عہ، فی پرچہ ۳ر، پتہ:-
دفتر معلومات اٹاوہ،

یہ دلچسپ اور مفید رسالہ مسلمانون کے مرکزی اسکول اٹاوہ سے نکلتا ہے، اس میں بچوں کے معلومات بڑھانے والے مختلف قسم کے مضامین تاریخی واقعات، جدید اکتشافات، سائنس کی ایجادات اور مختلف چیزون کے متعلق دلچسپ اور نادر معلومات ہوتے ہیں، مثلاً "روپیہ کی کہانی" "مکھی کھانے والا پودا" "چیونٹی" "مشینون کی دنیا" "سینما کی ایجاد" "ڈرائنگ کا کھیل" "برف کے نیچے" وغیرہ، بچوں کے مذاق کے لطائف وظرائف بھی ہوتے ہیں، یہ رسالہ بچوں کے لئے مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی،

ہونہار، مرتبہ رام لوچن شرن، وانیس الرحمن صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے،
کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت سالانہ ۲ر، فی پرچہ ۳ر، پتہ:- پستک بھنڈار،
لہریا سرائے دربھنگہ،

ہونہار بچوں کا رسالہ ہے، اسکی زبان بہت سادہ اور آسان رکھی گئی ہے جو ثقیل عربی وفارسی، اور بھدے سنسکرت الفاظ دونون سے پاک اور ہندوستانی زبان کا نمونہ ہوتی ہے، لیکن زبان کا معیار ایسا ہے، کہ بچے بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں، اور ہر طرح کے خیالات بھی ادا کئے جاسکتے ہیں، مضامین ومعلومات کے لحاظ سے بھی بچوں کے لئے مفید اور موزون ہے، ان کی تعلیم وتربیت کے لئے مفید اور ان کی معلومات بڑھانے والے مضامین ہوتے ہین اس لحاظ سے یہ رسالہ حوصلہ افزائی کا مستحق ہے، اس کا ایک ہندی اڈیشن بھی نکلتا ہے،

سعادت (پندرہ روزہ) مرتبہ جناب لطیف فاروقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲ صفحے،

کاغذ سفید، کتابت وطباعت اچھی قیمت سالانہ للعہ ر پتہ:- دفتر سعادت کٹرہ
تارکشاں لاہور،

یہ رسالہ بھی بچوں کا ہے، ان کے ذوق اور دلچسپی کے مضامین، اور ان کے لئے مفید معلومات ہوتی ہین،
"م"

اخبارات

شہباز (روزانہ) مرتبہ جناب مرتضیٰ احمد خان صاحب میکش تقطیع بڑی ضخامت ۸ صفحے،
قیمت سالانہ عـہ ششماہی للعہ سہ ماہی للعہ، فی پرچہ ار، پتہ:- دفتر شہباز نمبر ۱
ریلوے روڈ لاہور،

یہ اخبار گذشتہ اپریل سے لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے، اور اسی شان سے جس شان سے لاہور کے دوسرے اردو روزنامے نکلتے ہیں، ترتیب، تہذیب، اخبار، سیاسی مسائل میں بحث ونظر، کسی لحاظ سے وہ اردو کے کسی اچھے اخبار سے کم نہیں ہے، ہندوستان، بیرونی دنیا، اور عالم اسلام کی خبروں کے ساتھ ہندوستان کی سیاست، بین الاقوامی حالات اور اسلامی مسائل پر سنجیدہ بحث وتبصرہ ہوتا ہے، اسکی یہ خصوصیت لائق ذکر ہے، کہ وہ کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا، گو اس پارٹی بازی کے دور میں اس سے دامن محفوظ رہنا بہت مشکل ہے، خدا شہباز کی اس پرواز کو قائم رکھے، ہندوستان کی اسلامی سیاست کے بارہ میں شہباز بھی عام اسلامی پریس کا ہم نوا ہے، لیکن سنجیدگی اور متانت کے ساتھ سندباد جہازی جیسے بحر نکاہات کے پرانے شناور کی رہبری بھی اسکو حاصل ہے، اسکی اشاعت سے اردو اخبارون میں ایک اچھے روزنامے کا اضافہ ہوا ہے،

پرچم (ہفتہ وار) مرتبہ سبط حسن صاحب تقطیع اوسط اخباری ضخامت ۱۰ صفحے کاغذ معمولی

کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ سے ششماہی ۱۲؍، پتہ:- نمبر ۲ لال باغ روڈ لکھنؤ

یہ اخبار سبط حسن صاحب مدیر نیا ادب کی ادارت میں نکلتا ہے، اس کے مقاصد بھی وہی ہین جن کا نئے ادب کے ریویو میں ذکر ہو چکا ہے، اس رسالہ کی طرح یہ اخبار بھی بڑی اعتدال اور افراط و تفریط سے پاک ہے، وہ تجدد و انقلاب کا اندھا داعی نہیں ہے، بلکہ صرف اسکے مفید حصہ کا مُبلّغ ہے، اور آج کل کے نام نہاد ترقی پسند مسلمانوں کی طرح اسلام اور مسلمانون سے بے تعلق نہیں، بلکہ ملک کے ساتھ ملت کا بھی درد رکھتا ہے، اور مسلمانوں کی سیاست اور ان کے حقوق و مفاد پر خاص طور سے بحث کرتا ہے، ایسی انقلابی دعوت نہایت مبارک ہے، اخباری حیثیت سے بھی اچھا اخبار ہے، ہفتہ بھر کی ہندوستان اور بیرونی دنیا کی اہم سیاسی خبریں دیتا ہے، ہندوستان کی سیاست اور بین الاقوامی حالات پر واقف کارانہ تبصرہ ہوتا ہے، رائیں عموماً سنجیدہ اور متین ہوتی ہیں، خالص سیاسی اخبار و کوائف کے علاوہ مختلف ملکوں کے ایسے حالات پر بھی مضامین ہوتے ہیں، جن کا اثر سیاست پر پڑتا ہے، سیاست اور سوشلزم کے دائرہ میں جو جو موضوع آسکتے ہیں، سب پر مضامین و معلومات ہوتے ہیں، ادب اور افسانے کا بھی ایک حصہ ہے، لیکن سیاسی رنگ لئے ہوئے

ہماری زبان (پندرہ روزہ) مرتبہ جناب ریاض حسن صاحب، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ سالانہ، پتہ:- نمبر ۱ دریا گنج دہلی،

اردو زبان کو مٹانے کی جو مسلسل کوششیں جاری ہیں، وہ اب کوئی راز نہیں لیکن جس ترتیب و تنظیم اور جس وسعت و قوت کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہے، اس کا پورا علم کم لوگوں کو ہے، مخالفین اردو نے ہندوستان کی آزادی کی طرح اردو کشی کو بھی اپنا نصب العین بنا لیا ہے، ان کے افراد سے لیکر جماعتوں اور اداروں تک اس کام میں لگے ہوئے ہیں، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا

ہے، کہ ان جماعتوں اور اداروں کا دامن بھی اس سے پاک نہیں، جن کا مقصد متحدہ قومیت کی تعمیر ہے، اور جو سیاسی مصالح کی بنا پر اردو کی حفاظت کے مدعی ہیں، لیکن انکے ہاتھوں میں قوت کی وجہ سے ان کے ہتھکنڈے اردو کے لئے کھلے ہوئے مخالفین سے زیادہ مہلک ہیں، مسلمانوں کے پاس اسکے مقابلہ کیلئے زبانی شور و غل کے سوا کچھ نہیں ہے، لے دے کے ایک انجمن ترقی اردو اپنی بساط کے مطابق عملاً مقابلہ کر رہی ہے، اسی غرض سے اس نے یہ پندرہ روزہ اخبار نکالا ہے، یہ ہندوستان میں اردو کی سرگذشت کا آئینہ ہے، غریب اردو پر مخالفین کے ہاتھوں جو کچھ بیت رہی ہے، اور انجمن ترقی اردو اسکے مقابلہ کیلئے جو کچھ کر رہی ہے، اس میں اسکی پوری روداد ہوتی ہے، اس سے مخالفین اردو کی تخریبی سرگرمیون اور انجمن ترقی اردو کی مدافعانہ و تعمیری کارگذاریوں کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، اس سیاسی روداد کے علاوہ علمی حیثیت سے بھی اردو کے متعلق نہایت مفید اور پر از معلومات مضامین ہوتے ہیں، عبد القدوس صاحب ہاشمی نے اپنے مضمون "اردو اور ناگری رسم الخط" میں اس غلط فہمی کو کہ اردو رسم الخط کے مقابلہ میں ناگری رسم الخط زیادہ آسان اور سہل الحصول ہے، نہایت مدلل طریقہ سے دور کیا ہے، گاندھی جی نے حال میں اردو رسم الخط کی مخالفت اور ناگری کی حمایت میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، فاضل اڈیٹر نے اس کا نہایت مسکت جواب دیا ہے، اور ان کی نیت کا اچھی طرح پردہ فاش کیا ہے، ہندوستانی پر آل انڈیا ریڈیو دہلی میں جو تقریریں ہوئی تھیں، ان پر اچھا تبصرہ ہے، مولوی عبد الحق صاحب کی مفید تقریریں بھی دیتا ہے، غرض ہر لحاظ سے ہماری زبان اردو زبان کا بہترین نقیب ہے، ان خدمات کے مقابلہ میں اسکی قیمت کل عہ اسلئے رکھی گئی ہے، کہ اردو کے حامیوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت ہو سکے، اگر حامیان اردو بھی اپنی زبان کی خدمت میں حصہ نہ لے سکے، تو انہیں زبانی دعوی کا کوئی حق نہیں ہے،

جمہور (ہفتہ وار) مرتبہ سکندر خان فیروز خان تارخیل تقطیع بڑی، ضخامت ۸ صفحے قیمت

سالانہ ے ششماہی عہ سہ ماہی عہ فی پرچہ ار پتہ:۔ دفتر جمہور قمر علی بلڈنگ ریواچندرتن چندلیاڑی کوارٹر کراچی،

جمہور سندھ کی مسلم نیشنلسٹ پارٹی کا آرگن ہے، اس کا مسلک پارٹی کے نام سے ظاہر ہے، وہ آزاد خیال قوم پرست اور کسانوں اور مزدوروں کا حامی اخبار ہے، باہمی اختلاف سے قطع نظر ہندوستان کی آزادی، متحدہ قوت کی تعمیر اور نوجوانوں میں خالص قومی اسپرٹ پیدا کرنا اس کا نصب العین ہے، اخباری لحاظ سے بھی اچھا ہے، ہفتہ بھر کی اہم سیاسی خبریں دیتا ہے، اور سیاسی مسائل پر خالص قومی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالتا ہے، تاہم اسلامی مسائل سے بھی بے بہرہ اور بے خبر نہیں ہے، "م"

اردو اکادمی

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

دوسو روپیے کے بجائے ڈھائی سو روپیے انعام

اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے ذیل کے ہر مضمون پر مبلغ دوسو روپیے انعام دینا تجویز کیا تھا مگر اب اسے بڑھا کر ڈھائی سو کر دیا گیا ہے، جن صاحب کا مقالہ سب سے بہتر ہوگا، انھیں مذکورہ بالا انعام دیا جائیگا، اکادمی کا فیصلہ ناطق ہوگا، اسکے علاوہ اکادمی منتخب مقالہ جات کے حقوق اشاعت اپنے ذمہ رکھے گی، مقالہ میں تقریباً پچاس ہزار الفاظ ہونے چاہئیں، اور تمام مقالے سکریٹری اردو اکادمی کے پاس ۳۰ ستمبر تک پہنچ جانے چاہئیں جو صاحب اس مقالہ نویسی میں شرکت پسند کریں وہ پہلے اپنے مضمون کا انتخاب سے سکریٹری کو مطلع کریں

۱۔ اشتراکیت، ۲۔ فاسزم، ۳۔ نازی ازم، ۴۔ سامراج، وطنیت، ۶۔ سرمایہ داری، ۷۔ بحیرۂ روم کی سیاست، ۸۔ بحرالکاہل کی سیاست، ۹۔ امریکہ اور سیاست عالم، ۱۰۔ وسطی یورپ کی سیاست، ۱۱۔ نوآبادیون کی تقسیم، ۱۲۔ ممالک اسلامی کی سیاست، (سکریٹری اردو اکادمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

مطبوعات جدیدہ

مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ

مؤلفہ جناب عبدالوحید خاں صاحب بی اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت اوسط قیمت عمر

پتہ:۔ نمبر ۹، نوشن روڈ لکھنو،

متحد الخیال ہندو اور مسلمانون کے علاوہ دونوں قوموں میں بعض جماعتیں ایسی ہین جو آزادی کی جدوجہد میں کوتاہی کا الزام ایک دوسرے کے سر رکھتی ہین، اس طبقہ کے ہندوؤں کا دعوی ہے، کہ مسلمانون کو ہندوستان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ان کی سیاست کا نشو و نما انگریزون کی زیر نگرانی ہوا، انھوں نے ہندوستان کی آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ اس راہ میں مشکلات پیدا کین، ان کے مقابل کی جماعت کہتی ہے، کہ ہندو ہمیشہ سے مسلمانون کے دشمن اور انگریزون کے دوست رہے، ہندوستان کی کامل آزادی کبھی ان کا مقصد نہیں تھا، بلکہ وہ برطانیہ کی سنگینون کی حفاظت میں ہندو راج چاہتے ہیں، مذکورۂ بالا کتاب اس دوسرے نقطۂ نظر سے ہندوؤن کے جواب میں لکھی گئی ہے، اسکے دو حصے ہین، پہلے حصہ میں دکھایا گیا ہے، کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور انگریزون سے دوستی کا ثبوت دیا، مسلمانون کی دشمنی میں انھون نے ہندوستان کو انگریزوں کا غلام بنایا، خود اسلامی حکومتوں کو مٹایا، اور ان کے مٹانے میں انگریزون کی مدد کی، پھر آزادی کی پہلی جنگ ۱۸۵۷ء میں انگریزون سے مل کر مسلمانوں کو پامال کیا، فرقہ وارانہ سوالات پیدا کرکے ہندو مسلمانون میں اختلاف کا بیج بویا، مسلمان ہمیشہ مکمل

آزادی کی جنگ میں ہندوؤں سے آگے رہے چنانچہ اس زمانہ میں جب کانگریس برطانیہ کی وفاداری کے رزولیوشن پاس کرتی تھی، مسلمان رہنما آزادی کا سبق دیتے تھے، ترک موالات کی پرزور تحریک مسلمانوں ہی کے جوشِ آزادی کا نتیجہ تھی، اور اس زمانہ میں ہندوستان کی سیاست کی باگ انہی کے ہاتھوں میں تھی، جو بعد میں مسلمان رہنماؤں کی غلطی سے ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی، اس تحریک کے بعد ہندوؤں نے شدھی اور سنگھٹن کی فرقہ وارانہ تحریکیں پیدا کرکے ہندو مسلم اتحاد کا خاتمہ کر دیا، پھر نہرو رپورٹ سے ان کا اصل مقصد یعنی برطانیہ کے زیر سایہ ہندو راج بالکل ظاہر ہو گیا، اور گول میز کانفرنس میں مولانا محمد علی مرحوم کی تقریر اور گاندھی جی کے طرزِ عمل سے مسلمانوں کے مطمحِ نظر اور ہندوؤں کے منصوبوں کا پورا ثبوت مل گیا، دوسرے حصہ میں جدید دستور کے نفاذ کے بعد کے حالات و واقعات کی روشنی میں ہندوؤں کے منصوبوں اور مسلمانوں کے استیصال کی تدبیروں اور ان کے حقوق کی پامالی کو دکھایا ہے، اس میں وہ تمام واقعات، اعتراضات، اور شکوک و شبہات ہیں، جو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پیش کئے جاتے ہیں، یہ مؤلف کے نقطۂ نظر سے کتاب کے مباحث کی نوعیت ہے، نقطۂ نظر خواہ کیسا ہی ہو اسکی تائید میں کچھ نہ کچھ واقعات مل ہی جاتے ہیں، چنانچہ لائق مؤلف نے واقعات ہی کی روشنی میں یہ کتاب لکھی ہے، جن میں سے کچھ صحیح بھی ہیں، لیکن بہت سے واقعات سے ایسے نتائج نکالے گئے ہیں، جن کی مخالف نقطۂ نظر رکھنے والا دوسری تاویل کر سکتا ہے، اس لئے اس کتاب کی بنیاد کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے، لیکن اس حیثیت سے وہ لائق قدر ہے کہ اس میں مسلمانوں کی سیاست کی تاریخ، آزادی کی جنگ میں ان کی جد و جہد اور ایثار و قربانی کے واقعات اور بہت سے مفید معلومات آگئے ہیں، اس سے بھی زیادہ لائق ستایش نوجوان مؤلف کی محنت و ہمت اور سنجیدہ غور و فکر کی صلاحیت و استعداد ہے، کہ اس عمر میں جب کہ عموماً مسلمان نوجوان شاعری اور ادب لطیف کی دنیا میں بستے ہیں، ہونہار مؤلف نے ایک سنجیدہ موضوع پر ایسی پر از معلومات کتاب لکھدی، جس کے لئے بڑے تجربہ اور مشق و مہارت کی ضرورت تھی کاش یہ محنت جنگِ آزادی کے لئے دعوتِ اتحاد پر صرف ہوئی ہوتی، تو اس سے زیادہ مفید ہوتی؛ بہرحال یہ کتاب مؤلف کی ہم خیال جماعت کے لئے کارآمد ہے، اور ایک پہلو سے ان لوگوں کا جواب بھی ہے، جو مسلمانوں کو مجرم ٹھہراتے ہیں،

ہندستانی، شائع کردہ مکتبہ جامعہ ملیہ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت، ۱۲/ر پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی،

گذشتہ فروری کو آل انڈیا ریڈیو دہلی نے ملک کے چھ ممتاز افراد، ڈاکٹر تاراچند، مولوی عبدالحق صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب، بابو راجندر پرشاد، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی اور آصف علی صاحب سے ہندوستانی زبان پر تقریریں کرائی تھیں، مکتبہ جامعہ نے ان تقریروں کو یکجا شائع کر دیا ہے، ان تقریروں میں مقررین نے اپنے نقطۂ نظر کے نمونہ کی ہندوستانی زبان میں اسکی تاریخ، اس کے عناصر اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا، ذوق، نقطۂ نظر اور رائے کا اختلاف اکثر تقریروں میں نمایاں ہے، ان میں مولوی عبدالحق صاحب کی زبان بالکل اور پنڈت کیفی کی تقریباً وہی ہے، جو وہ روزانہ بولتے اور لکھتے ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین خان اور آصف علی صاحب نے اپنی روزمرہ کی زبان سے اتر کر سادہ اور عام فہم زبان کا ایسا نمونہ پیش کیا ہے کہ اردو کو اردو یا ہندوستانی کہتے ہوئے اس سے زیادہ آسان زبان ممکن نہیں ہے، بابو راجندر پرشاد اور ڈاکٹر تاراچند کی زبان مصنوعی ہے، اس میں قصداً غیر مانوس ہندی الفاظ کی آمیزش کی گئی ہے، بابو راجندر پرشاد پر تو تعجب نہیں لیکن ڈاکٹر تاراچند کی زبان پر ہم کو تعجب ہے ان کی زبان پر "بھاشا" کا جوڑ معلوم ہوتی ہے، ان کی تقریر میں بہت سے ایسے نامانوس ہندی

الفاظ ہیں جنھیں راقم الحروف نہ سمجھ سکا، اور جن کے روزمرہ کے مستعمل مرادف اردو میں موجود ہیں مثلاً انت (آخر) کٹھنائی (مشکل) جیون (زندگی) آکاش (آسمان) چھم کی چھایا (؟ سایہ) جیبھ (زبان) ودیشی (بدیسی) پانیتن، (؟) انارِیہ (اناڑی اجنبی)) اتھل پتھل، (؟) دھنوال، (؟) ارتھ (؟) تپھول (؟) ودیا (علم) گھنیر سیوا (بڑی خدمت) مجل (؟) بلوان وغیرہ، اگرچہ یہ الفاظ بالکل ناقابل فہم نہیں ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کی زبان سے میل نہیں کھاتے،

• **پیام امین**، مؤلفہ جناب محمد عبد اللہ صاحب منہاس، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، علاوہ محصول ڈاک، پتہ:- شرکت ادبیہ شریف گنج امرتسر،

مولوی عبد اللہ صاحب منہاس نے عرصہ ہوا "پیام امین" کے نام سے کلام مجید پر ایک کتاب لکھی تھی، اب مزید ترمیم و اضافہ کے ساتھ اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، یہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہے، اس میں کلام اللہ کی تدوین، اسکے اعراب و نقطوں کی تاریخ، عہد رسالت و عہد صحابہ میں اسکی تعلیم کا مختصر ذکر، مختلف ملکوں میں اسکی اشاعت اور مشرقی و مغربی زبانوں میں اسکے تراجم کے حالات، کلام مجید کے متعلق سو سے زیادہ یورپ کے نامور علماء اور مشاہیر کی رائیں، خود کلام مجید کی زبان سے اسکی خصوصیات واوصاف کا ذکر، اور اکابر یورپ کی زبان سے دنیا پر کلام ربانی کے تعلیمات کے نتائج، اور خیر و برکات کا اعتراف ہے، اس سے مختلف ملکوں میں کلام اللہ کی اشاعت کی پوری تاریخ معلوم ہو جاتی ہے، اگر مؤلف نے ماخذوں کے حوالے بھی دیدیے ہوتے، تو یہ کتاب زیادہ مستند ہو جاتی، خدا کا کلام انسانوں کی مدح وستایش سے بے نیاز و برتر ہے، اسلئے قرآن مجید کے بارہ میں کسی کی رائے کی کوئی وقعت نہیں، تاہم جو لوگ اپنے دین و مذہب میں بھی یورپ کی تائید کا سہارا ڈھونڈتے ہیں، ان کی تشفی کیلئے اس میں

کافی سامان ہے، تراجم میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولینا اشرف علی صاحب کے اردو تراجم اور مولینا عبد الماجد صاحب دریابادی کے انگریزی ترجمہ کا جو تقریباً پورا ہو چکا ہے ذکر نہ ہونا تعجب انگیز ہے،

تاریخ ملت، مؤلفہ جناب مسلم ویلوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۲۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت و پتہ مرقوم نہیں،

مؤلف نے اس کتاب میں عہد جاہلیت سے لیکر اختتام خلافت راشدہ تک کی مختصر تاریخ لکھی ہے، عہد رسالت کے آخر میں اسلامی تعلیمات، اخلاق نبوی، کلام اللہ کے نزول کی تاریخ، اسکی جمع و ترتیب، اسکی تعلیم کے اثرات اور کلام اللہ سے متعلق متفرق مفید معلومات ہیں، خلافت راشدہ کی سیاسی تاریخ کے ساتھ، خلفاء کی سیرت، نظام خلافت کے جستہ جستہ حالات، مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کی تاثیر کے واقعات، اور دنیا پر اسکے اثرات کا ذکر، اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بہت سی مفید باتیں ہیں، اردو میں سیرت نبوی، اور خلافت راشدہ پر اتنی مستند کتابیں لکھی جا چکی ہیں، کہ ان سے آسانی کے ساتھ معتبر مختصرات مرتب کئے جا سکتے ہیں، اسلئے اس تاریخ کے اکثر واقعات صحیح ہیں، کہیں کہیں پر غلط واقعات اور غیر معتبر روایات درج ہو گئی ہیں، مثلاً عقیقہ کے بعد جو ساتویں دن ہوا تھا، آنحضرت صلعم کا حضرت سعدیہ کو حوالہ کیا جانا، ابو طالب کے انتقال کے تیسرے دن حضرت خدیجہؓ کا انتقال، انصار کا اپنے برتن توڑ کر آدھا آدھا جرین میں تقسیم کر دینا، علاج اور متعدی امراض کے متعلق آنحضرت صلعم کی ہدایات وغیرہ کے واقعات غلط ہیں، یرموک کی جنگ کے واقعات واقدی سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں، جوش مذہب میں واقعات کے بیان میں کہیں کہیں مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، واقعات کے بیان اور تحریر دونوں میں توازن نہیں ہے، بعض معمولی واقعات کو طول دیا گیا ہے، بعض اہم واقعات کا سرسری ذکر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف آدمیوں کی تحریر ہے، بعض بعض مقامون پر قلم جادۂ ادب سے ہٹ گیا ہے، مثلاً "محمد جیسا پہلوان" "آپ کی بوٹی بوٹی الگ کر دیں" آنحضرت صلعم یا رسول اللہ صلعم کے بجائے عموماً حضرت محمد ہے، جو ایک مسلمان کے قلم سے بالکل ناموزوں ہے،

تاریخ وتنقید ادبیات اردو مرتبہ جناب حامد حسن صاحب قادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۱۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ،

مؤلف نے کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کے استفادہ کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، اس کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، اس میں اردو زبان کی اہمیت، وسعت اور مقبولیت پر علمی اور تاریخی حیثیت سے بحث کی گئی ہے، اس میں اگرچہ کوئی جدید تحقیق اور نئی بات نہیں ہے، بلکہ مختلف لوگوں کے خیالات اور تحقیقاتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، تاہم فائدہ سے خالی نہیں ہے، اردو زبان کے ہندستانی نام اور اسکے بعض الفاظ کے املا کی ترمیم کی تجویز کی مخالفت میں مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی ذاتی رائے ہے، جو کسی علمی یا لسانی اصول پر مبنی نہیں ہے، زبان کوئی جامد چیز نہیں ہے بلکہ زمانہ کے اقتضا کے مطابق ہر زبان کو اس قسم کے تغیرات سے گذرنا پڑتا ہے، خود اردو کے عربی اور فارسی الفاظ میں، لفظی و معنوی تغیرات ہوئے ہیں، بہر حال اس بحث میں اردو زبان کے مختلف پہلوؤں کے متعلق مفید معلومات ہیں، اصل کتاب میں اردو نثر کی بقدر تمہید اور نظم پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے، اس میں ہر دور کے مشاہیر شعراء کے نام، ان کے کلام کے نمونے، ان کے رنگ پر تبصرہ، شاعری کے عہد بعہد کے تغیرات، ان کے مختلف اسکولوں کی خصوصیات، اصنافِ شاعری کی تاریخ، تنقید جدید شاعری اور تغزل پر تبصرہ وغیرہ، اردو شاعری کے تمام پہلوؤں پر مختصر نوٹس، اور سرسری تنقید ہے، آخر میں شاعری سے متعلق مؤلف کے تین مضامین "آگرہ اسکول" "شاعری میں چوری" "ہمارے مشاعرے" ہیں، یہ مختصر کتاب طلبہ کیلئے اردو شاعری کے مطالعہ میں رہنمائی کا کام دیسکتی ہے،

"م"

دار المصنفین کی نئی کتابیں

تابعین رض

تابعین کرام رضی اللہ عنہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تھے اور صحابۂ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے ۹۶ اکابر تابعین کے سوانح ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت: للعہ

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کیلئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت: عہ